

شریعت و طریقت کا تلازم

— مؤلفہ —

جامع شریعت و طریقت، محدث کبیر حضرت اقدس الحاج
مولانا محمد رفیع صاحب کاندھلوی، شہید ہاجرہ کاندھلوی

ناشر
مکتبۃ الشیخ
۲۰۲۵/۲ - بہادر آباد، کراچی ۵

شریعت و طریقت کا تلازم

— مؤلفہ —

جامع شریعت و طریقت، محدث کبیر حضرت اقدس الحاج
مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ثم مہاجر مدنی قدس سرہ

— ناشر —

مکتبۃ الشیخؒ ۳/۳۶۷ - بہادر آباد - کراچی ۵

شریعت اور طریقت



حَامِدًا وَمُصَلِّيًا وَسَلَامًا

بعد حمد و صلوة کے اس ناکارہ کی پیدائش ۱۱ رمضان ۱۳۱۵ء رات کے گیارہ بجے کا نہ ہل میں، میری والدہ کی سوتیل نانی کے گھر میں ہوئی جو اماں مریم کے نام سے مشہور تھیں۔ بڑی عابدہ زاہدہ اور فیاض خاتون تھیں۔ خاندان کے اکابر تراویح پڑھ کے اپنے گھر جانے سے پہلے وہاں گئے اور مبارکبادی کے بعد مٹھائی کا مطالبہ کیا، اور انہوں نے اپنی فیاضی سے بہت سی مٹھائی منگوائی اور مبارکبادی دینے والوں کو ان کی حیثیت کے موافق دی۔ بڑی چیل پیل اور شور و شعاع۔ یہ قصہ مظفر نگر کے ضلع میں ہے اور اس زمانہ میں دوآبہ شریعت و طریقت کا گہوارہ اور مخزن تھا۔ دوآبے ایک عرفی اصطلاح تھی جو مشہور تھی اور اب بھی مشہور ہے۔ ہم اسے اکابر کے کلام میں بھی بہت جگہ اس کا تذکرہ آتا رہا ہے۔ یہ قصہ دہلی، میرٹھ، مظفر نگر، سہارنپور کے اضلاع پر مشتمل ہے اور دوآبہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کے مغرب میں جتنا اور نہر چین اور مشرق میں گنگا اور نہر گنگا مشہور و معروف دریا ہیں جواب تک بھی معروف ہیں۔ یہ خطہ شریعت و طریقت کا مخزن و گہوارہ، مرجع و منبع خاص طور سے تھا جس کی ابتدا خاندان ولی لہی کو ہوئی اور اس کا فیضان عام امدادی جماعت کے ذریعہ ہوا۔ اس خطہ کا معمولی اثر یہ تھا کہ قطب الارشاد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ان کے مریدوں میں معمولی

نام کتاب
شریعت و طریقت کا تلامذہ

تصنیف
برکز العصر، جامع شریعت و طریقت
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد نیکسریہا جرمی
قدس سرہ

سن تالیف
۱۳۹۸ھ بمطابق ۱۹۷۹ء
پاکستان میں کتابت نادرہ کے ساتھ پہلی بار
شعبان ۱۴۱۳ھ موافق فروری ۱۹۹۳ء

ملحوظہ :- فہرست مضامین کتاب کے آخری
صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

سے معمولی اور ان پٹھ بھی مشیخ سنت تھے میں نے بہت سے بالکل اُن پٹھ لوگوں کو دیکھا کہ تہجد کے اتنے پابند تھے کہ بعض بڑوں کو بھی ویسا کم دیکھا۔ اور طریقت کا حال یہ تھا کہ حضرت قدس سرہ کی خانقاہ کے قریب جو عام گڈھا تالا مٹہ ہو رہے اُس میں پچائش ساٹھ دھوبی اخیر شب میں کپڑے دھویا کرتے تھے وہ بجائے مختلف آوازوں کے اللہ اللہ کی صدائیں لکایا کرتے تھے۔ اس سیکار کو خاندانِ بی اللہی میں سے تو کسی کی زیارت کی نوبت نہیں آئی لیکن خاندانِ امدادیہ کے اکابر و اصاغر کی زیارتیں بہت کثرت سے ہونیں۔

سیدالطائف حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی زیارت کی نوبت نہیں آئی، اس لئے کہ حضرت نور اللہ مرقدہ کا وصال میری پیدائش سے تقریباً دو سال بعد بارہ یا تیرہ جمادی الثانیہ ۱۳۱۵ھ کو مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اسی طرح تحفۃ الاسلام حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہ کی زیارت کی نوبت بھی نہیں آئی۔ اُن واسطے کہ حضرت کا وصال میری پیدائش سے تقریباً اٹھارہ سال پہلے چار جمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ میں دیوبند شریف میں ہوا۔ اسی طرح اپنے جہاد محمد حضرت رأس الاتقیاء مولانا محمد اسماعیل صاحب جھنجھانوی ثم اکنادھلوی ثم اہلوی کی بھی زیارت کی نوبت نہیں آئی، اس لئے کہ ان کا وصال دہلی میں نواب والی مسجد میں چار شوال ۱۳۱۵ھ کو میری پیدائش سے تقریباً بیس یوم بعد ہوا۔ میں نے اکابر سے سنا ہے کہ جب میری پیدائش کی خبر دادا جان کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا تھا کہ ہمارا بادل آگیا اور سہمارے جانے کا وقت آگیا۔ البتہ ان حضرات کے واقعات اتنی کثرت سے سننے میں آئے کہ لا تعد ولا تحصى۔

البتہ فخر المحدثین شیخ مشائخ زمانہ قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ

کی زیارت خوب ہوئی، اس لئے کہ حضرت کا وصال میری پیدائش سے تقریباً اٹھ سال بعد آٹھ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ کو گنگوہ شریف میں ہوا۔ حضرت نور اللہ مرقدہ کی صورت بھی خوب یاد ہے، اور حضرت قدس سرہ جب چہارزاؤ خانقاہ کے میدان میں تشریف فرما ہوتے تھے تو گردن میں دو نوں ہاتھ ڈال کر لیٹ بھی خوب یاد ہے۔ حضرت قدس سرہ کے ساتھ کھانا کھانے کی بھی کثرت و نوبت آئی اور عید گاہ جاتے وقت حضرت کی پالکی میں جس کے اُٹھانے والے مشیخ عم ہوتے تھے جانا بھی خوب یاد ہے۔ یہ دو شریعت و طریقت کا بہت اُونچا دور ہے۔ اس کے بعد مرشدی و سیدی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں رجب ۱۳۲۵ھ سے ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ تک مسلسل ایک سال جمیں حضرت مرشدی اور حضرت شیخ الہند حجازیہ کے علاوہ حاضری رہی کہ یہ ناکارہ مدینہ پاک سے سولہ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ کو رخصت ہوا تھا جبکہ حضرت مرشدی کا وصال مدینہ پاک میں سولہ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ کو ہو گیا۔ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ اعلیٰ اللہ مراتبہ کے زمانہ کو پایا تو یہی، اس واسطے کہ حضرت کا وصال اٹھارہ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ میں ہوا چونکہ حضرت کا قیام کئی سال مالٹا میں رہا۔ اس لئے دیوبند کی حاضری اسارت سے پہلے اور اسارت کے بعد مختصر طور پر ہوئی مگر حضرت نور اللہ مرقدہ کے احباب تلامذہ اور اکابر دیوبند سے کثرت سے ملنا ہوتا رہا۔

حضرت اقدس رأس الاتقیاء والاصفیاء حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب راہپوری کا دور بھی خوب پایا، اس لئے کہ حضرت کا وصال ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ میں ہوا اور ملحق الاصابغ بالا کا بر حضرت حکیم الامت مجدد مملکت

تھانوی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کی زیارت تو بہت ہی طویل عرصہ تک رہی کہ حضرت کا وصال شب بارہ رجب ۱۳۶۲ھ میں ہوا اور میں نے حضرت کے اہم گرامی کے ساتھ لقب بحق الاصفیٰ بالاکابر کا اس لئے لکھا کہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی بیعت و اجازت سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے تھی اسلئے حضرت حکیم الامت کے سائے مریدین اور مجازین بیک واسطہ حضرت سید الطائفہ سے ملتی ہیں۔ یہ تو طریقت ہوئی، اور شریعت میں حضرت حکیم الامت کو حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی سے بھی اجازت حدیث ہے، اور حضرت شاہ گنج مراد آبادی نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے کچھ پڑھا ہے، چنانچہ اذواح ثلاثہ ص ۳۴ میں ہے کہ حکیم نعمت اللہ صاحب نے حضرت مولانا سے پوچھا کہ سننا ہے کہ حضور نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سے پڑھا ہے۔ فرمایا ہاں۔ میں نے کہا کہ حدیث شریف سنکر اجازت دیجئے تو برکت حاصل ہو مشکوٰۃ شریف کی چند حدیثیں سنکر فرمایا کہ اجازت دیتا ہوں اور عمل کی تاکید فرمائی۔ انتہی۔

اس ناکارہ کی بہت ہی تمنا رہی کہ حضرت حکیم الامت سے اجازت حاصل کروں کہ سند عالی حاصل ہو۔ اور کئی مرتبہ اس نیت سے تھکا نہ بھون حاضر کی نوبت آئی مگر ہر مرتبہ یہ حیا مانع ہوئی کہ کس منہ سے کہوں کہ مجھے اجازت حدیث دے دیجئے جبکہ کچھ آجائا نہیں، حالانکہ مجھ سے پڑھنے والوں نے کئی نے حضرت کی اجازت حاصل کی اور اس لحاظ سے وہ شاگردان مجھ سے عالی سند رکھتے ہیں۔

نیز شیخ الاسلام رأس المجاہدین حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ و اعلیٰ اللہ مراتبہ کا دور بھی خوب پایا، اس لئے کہ حضرت کا وصال بارہ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ کو دیوبند میں ہوا۔ میرے محسن، امام التواضع والا نکسار حضرت اقدس مولانا

الحاج شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ کا دور تو بہت ہی پایا کہ حضرت کا وصال چودہ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ کو ہوا۔ اور حضرت کی خدمت میں حاضری کی بہت ہی نوبت آئی، اور اپنے عم محترم امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا دور بھی خوب پایا، اس لئے کہ مجھ باجان کا وصال کہیں رجب ۱۳۶۳ھ کو ہوا۔

اولئک ابائی فجننی بمنلہم

اذا جمعتنا یا بحریر المجامع

یہ ہیں میرے آباء و اجداد، ہیں ان جینا تو بھی لے جری جب مجامع تغافر ہم کو جمع کریں، بیش کر

س

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پٹیلے

نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر

انھیں کے افتخار پر ناز کرتی ہے مسلمانی

انھیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے

انھیں کا کام ہے دینی مراہم کی نگہبانی

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں

پھر یہ دریا میں اور ہر گز نہ کپڑوں کو لگے پانی

اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے

اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخنرانی

مجھے ان سب اکابر کا دور اس واسطے بتانا پڑا کہ ان شمول ہدایت کی برکت

سے دو آگے کا ذرہ ذرہ شریعت و طریقت کا مرکز رہا اور ان کی برکات سے ہر شخص کے ذہن میں یہ تھا کہ شریعت و طریقت ایک دوسرے کے متلازم ہیں۔ ان میں کا ہر شخص

برکنے جام شریعت برکنے سندان عشق

ہر ہوسنا کے نداند جام و سندان بافتن

کا صحیح مسداق تھا۔ اس لئے بچپن ہی سے شریعت و طریقت کا باہمی ربط و تلازم ایسا قلب میں پیوست تھا کہ اس کے خلاف کوئی چیز قابل التفات نہیں تھی یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز بچپن سے ذہن میں مرکوز ہو جاتی ہو وہ کائنات فی الجبر ہو جاتی ہے۔ سانپ کے کاٹنے اور شیر کے بھاڑنے پر شخص کو ایسا یقین ہو کہ جس کا نکالنا دل مشغول ہے، حالانکہ بہت سے لوگوں نے سانپ کو کاٹتے نہیں دیکھا ہو گا اور شیر کو بھاڑتے نہیں دیکھا ہو گا۔

اس کے بعد اپنے طلب علم کے زمانہ میں مشکوٰۃ شریف کے شروع میں حضرت جبریل علیہ السلام والی حدیث جو تعلیم امت کیلئے فرمائی گئی تھی اُس میں ایمان و اسلام کے ساتھ ساتھ ”مَا لِإِحْسَانٍ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ عَاقِلًا تَوَّادًا“ پڑھا کہ اللہ کی عبادت ایسی کی جائے کہ گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے یہی طریقت ہے، یہی تصوف ہے یہی سلوک۔ اور جتنے نام اس مبارک فن کے لئے جائیں سب اس میں داخل ہیں جیسا کہ طریقت کے ذیل میں تفصیل سے ذکر کروں گا۔ اور اس کے بعد پھر حدیث پاک کی جتنی کتابوں کا پڑھنا پڑھنا ہوتا رہا شریعت و طریقت کا باہمی ربط قلب میں ایسے طریقہ سے جسا گیا کہ ان دونوں کے خلاف کوئی چیز کان میں پڑی تو اُسے جہالت سمجھتا رہا

یا تجاہل۔ شریعت مظہرہ جس کا ماخذ قرآن پاک ہے اور اس کی تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال اور ان کا لب لباب فقہ، ان کے خلاف کبھی بھی کوئی چیز نہ تھی تو ناقابل التفات سمجھی۔ بعض دینی علوم سے ناواقف لوگوں کا یہ قول جب کان میں پڑتا تھا کہ ”قرآن پاک سے براہ راست جو مفہوم سمجھ میں آئے وہ اصل ہے، تفاسیر وغیرہ کتب کی اس کیلئے ضرورت نہیں“ تو میں اسے پاگل ہی سمجھتا رہا۔ اس لئے کہ اگر قرآن پاک سے براہ راست اخذ کرنا آسان ہوتا تو انبیاء کی ضرورت کیا رہتی؟ قرآن پاک کعبہ شریف کے درمیان لٹکا دیا جاتا اور اس سے لوگ حاصل کرتے رہتے۔ انبیاء کی بعثت کا تو بڑا راز یہ بھی ہے کہ وہ عملی طور پر ارشادات الہیہ کی تکمیل و تکمیل کر کے دکھائیں اور اس سلسلہ میں اللہ کا احسان ہے، اسی کا شکر ہے کہ کبھی کوئی شبہ پیش نہیں آیا بلکہ اس سے بہت سے مسائل اور فروعات ایسے ذہن نشین ہوئے کہ ان میں بھی کوئی اشتباہ نہ ہوا۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ شریعت کو عملی جامہ پہنانے کے واسطے آئی تھی اس لئے جو چیزیں شان نبوت کے منافی نہ تھیں وہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر کرانی گئیں جیسے لیلہ التعریس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مع جماعت صحابہ کے نماز صبح کے لئے بیدار نہ ہو سکا۔ جبکہ حضور کے چاکروں کے چاکروں کا یہ حال ہے کہ وہ کہیں کہ بیعت ہو جانے کے بعد سے رات کے دو بجے سے ایسی کھلی اُٹھتی ہے کہ نیند نہیں آتی۔ محدثین میں اس میں بھی اختلاف ہے کہ صبح کو سوتے رہ جانا ایک دفعہ ہوا یا متعدد دفعہ جیسا کہ اوپر ص ۲۵ میں تفصیل ہے، اور میری رائے یہ ہے کہ تین دفعہ ہوا یہاں ایک تصوف کی بات بھی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

عادت شریفہ نہیں تھی کہ لیٹنے کے وقت پوچھیں کہ ہمیں کون جگائے گا، اس قصہ میں بخاری ص ۱۵ میں یہ ہے کہ صحابہؓ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہؐ تھوڑی دیر آرام فرمائیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں صبح کی نماز نہ صحت ہو جائے۔ حضرت بلالؓ نے فرمایا ”میں جگاؤں گا“

اس قصہ میں سلوک کے دو مسئلے ہیں۔ اول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اندیشہ کہ مجھے دس بجے صبح کی نماز نہ فوت ہو جائے۔ حالانکہ عرب کا عام دستور یہی تھا کہ شروع رات میں سفر کرتے اور اخیر رات میں آرام کرتے۔ اسی رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں صبح کی نماز نہ فوت ہو جائے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ مشائخ کے قلوب پر بسا اوقات آنے والے واقعات کا کائنات ہوتا ہے یا اندیشہ ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت بلالؓ کا یہ کہنا کہ ”میں جگاؤں گا“ اوجز ص ۲۵ میں لکھا ہے کہ مشائخ نے کہا کہ یہ واقعہ حضرت بلالؓ پر تنبیہ ہے اس بات کے کہنے پر کہ ”میں جگاؤں گا“ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا تھا تو حضرت بلالؓ کا یہ کہنا کہ ”میں جگاؤں گا“ اس کا سبب ہوا۔ مگر اس پر ایک اشکال ہے، وہ یہ کہ جب لیلۃ النعریں اکثر علماء کے نزدیک گئی دفعہ ہوئی تو حضرت بلالؓ کا یہ قول تو ایک ہی دفعہ ہوا ہوگا، لیکن جواب ظاہر ہے کہ ایک واقعہ میں حضرت بلالؓ کے اس قول کو دخل ہے اور دوسرے واقعات میں دوسرے اسباب سے ہوئے ہوں گے۔

اسی طرح نماز میں بھولنے کی احادیث میں کبھی اشکال نہ ہوا، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ارشاد فرمادیا کہ ”انی لا افسی و لکن افسی لا سن“ یعنی میں بھولتا نہیں بلکہ جبراً بھلایا جاتا ہوں تاکہ طریقہ بتاؤں، یعنی

تمہارے لئے نماز میں بھولنے کے احکام، سجدہ سہو وغیرہ کا طریقہ بتاؤں۔ اوجز ص ۳۱ باب العمل فی السہو میں اس حدیث کی بڑی تفصیل ہے۔

اسی طرح بعض صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض بڑی خطائیں سرزد ہو جانے پر کبھی بھی کوئی غلطی یا طبیعت میں نہیں آیا جب کہ مشائخ عظام سے ایسی خطاؤں کا صدور بعید تر ہے اور کوئی بڑے سے بڑا شیخ بھی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا تو ان کی معاصی کی روایات پر اللہ کے فضل سے مجھے کبھی اشکال نہیں ہوا۔ اکابر کی جوتیوں اور احادیث کی برکت سے ان سب کے متعلق ہمیشہ ہی ذہن میں رہا کہ یہ افعال ان حضرات سے تعلیم کی تکمیل کے لئے تکنیکی طور سے کرائے گئے تھے تو مشق ناز کر خون و دو عالم میری گردن پر

ان انفس قد سیرنے اپنے آپ کو پیش کیا کہ آپ اپنی شریعت مطہرہ کی تکمیل کیجئے ہم اس کیلئے سنگسار ہونے کو تیار ہیں، ہاتھ کٹانے کو تیار ہیں، کوٹے کھلنے کو تیار ہیں۔ یہی میرے نزدیک مصداق ہیں قرآن کریم کی آیت ”قَدْ وُلِّدْنَاكَ يَبْنَؤَ اللَّهِ سَيَسْتَظِلُّهُمْ حَسَنَاتُكَ“ (بس یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے گناہوں کی نیکیوں سے بدل دیگا) اور یہی مصداق ہیں ان احادیث مغفرت کے جن میں ہے کہ بعض خوش نصیبوں کو کہا جائے گا کہ ”ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی دیدو“

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۱۱ میں) ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک آدمی قیامت کے دن بلایا جائے گا، (یکسی ایک دی کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا بلکہ ایک طبقہ مراد ہوتا ہے جس کے ہر فرد کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں رجل کی جگہ ناس کا لفظ صریح ہے) اور فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کر دو بس

جھوٹے چھوٹے گناہ پیش کئے جائیں گے اور بڑے بڑے گناہ چھپائے جائیں گے، اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں دن یہ گناہ کیا اور فلاں دن یہ گناہ کیا۔ اس کا اقرار کئے بغیر چارہ نہ ہوگا اور وہ دُرتا ہے گا کہ ابھی تو چھوٹے چھوٹے پیش کئے جا رہے ہیں جبکہ بڑے گناہوں کا نمبر آئے گا تو کیسے گا؟ ارشاد ہوگا کہ اس کو ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی لکھ دو۔ تو وہ کہے گا کہ لے میرے رب ابھی تو بہت گناہ باقی ہیں جو ابھی تک نہیں کئے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا کہ حضور کے اگلے دانت مبارک نظر آنے لگے (اسلم ترمذی، شامل)۔

دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں بہت سے لوگ لائے جائیں گے جو اس کی تمنا کریں گے کہ کاش ہمارے گناہ بہت زیادہ ہوتے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہوں گے تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے گناہوں کے بدلہ نیکیاں ملیں گی۔

یہاں ایک بات نہایت قابلِ اہتمام یہ ہے کہ یہ مراحم خسروانہ کہلاتے ہیں کہ مراحم خسروانہ میں قاتلوں کو پھانسی کی سزا سے بھی معاف کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اس اطمینان پر کہ میں تو مراحم خسروانہ میں چھوٹ جاؤں گا قتل کی بہت کوفی نہیں کرتا، البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ صحابہ کرامؓ سب ان میں داخل ہیں، اس لئے کہ ان کے معاصی کے جو قصے احادیث میں آتے ہیں وہ ان ہی مراحم خسروانہ کے سختی ہیں۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے زنا صادر ہو جاتا ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ

ماہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جا استغفار کر، توبہ کر“ وہ تھوڑی دور جاتے ہیں، بیچینی غالب ہوتی ہے، پھر اگر یہی عرض کرتے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی جواب ہوتا ہے۔ چار دفعہ یہی واقعہ پیش آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو توبہ واستغفار کی تاکید کر کے واپس کر دیتے ہیں۔ چوتھی دفعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حسب قواعد شرعیہ سنگسار کرنے کا حکم فرماتے ہیں۔ اس پر دو صحابہؓ نے یوں کہا کہ اس شخص کے گناہ پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا مگر اس نے اپنے آپ کو پیش کیا حتیٰ کہ کتے کی طرح سرچم کیا گیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں کر سکوت فرمایا اور آگے تھوڑی دیر چلے تھے کہ ایک گدھا مار پڑا تھا اور اُس کا پیٹ پھولا ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کی ایک ٹانگ ابھرنی تھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں فلاں کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا ہم حاضر ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”اس مرد! میں سے کھاؤ“ انہوں نے کہا کہ اس میں سے کون کھا سکتا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے جو مسلمان بھائی کی آبروریزی کی وہ اس سے زیادہ سخت ہے، تم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہا ہے۔ اسی طرح ایک غامدیہ عورت رضی اللہ عنہا وارضاہا کا قصہ پیش آتا ہے وہ بھی آکر درخواست کرتی ہیں یا رسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو بھی یہی فرما کر واپس کر دیتے ہیں کہ جا توبہ استغفار کر۔ وہ عرض کرتی ہیں یا رسول اللہ آپ مجھے اسی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں جس طرح حضرت ماعز کو

واپس کیا تھا، میں خدا کی قسم نہ اسے حاملہ ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنے بچہ پیدا نہ ہو جائے اتنے تجھے گم نہیں کیا جاسکتا۔ جب وہ بچہ جنتی ہیں تو پھر وہ حاضر ہوتی ہیں کہ یا رسول اللہ میں نے بچہ جن دیا مجھے پاک کر دیجئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو دودھ چھوٹنے کے زمانہ تک دودھ پلا۔ وہ دودھ چھوٹنے کے بعد بچہ کو گود میں لاتی ہیں۔ بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا ہے، عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ یہ روٹی کھانے لگا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حسب قواعد شرعیہ سنگساری کا حکم دیتے ہیں۔ حضرت خالدؓ بھی سنگسار کرنے والوں میں تھے، اُس کو سنگسار کرتے ہوئے اُس کے خون کا ایک قطرہ اُڑ کر حضرت خالدؓ کے رخسار پر پڑ گیا۔ حضرت خالدؓ نے اُس کو کوئی سخت بات کہی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم نے فرمایا خالد! ایسا مت کہہ، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر جنگی کا افسر بھی ایسی توبہ کر لیت تو اُس کو کافی ہوتی (جنگی کے افسر سے مراد اس محکمہ کے لوگ ہیں کہ وہ ظالم ہوتے ہیں اور بہت ظلم کرتے ہیں) اسی قسم کے ایک اور قصہ میں حضرت عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر جنازہ کی نماز پڑھیں حالانکہ اس نے زنا کیا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے شتر آدمیوں پر تقسیم کر دی جائے تو سب کو کافی ہو جائے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی جان کی قربانی کر دی۔

احادیث کی کتاب الحدود میں متعدد روایات ان قصوں کی وارد ہوئی ہیں، ہم میں سے بڑے سے بڑا بھی کوئی ایسا ہے جو گناہ پر اتنا بے چین ہو جائے جتنا یہ حضرات ہوتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب کہ مؤمن کوئی گناہ کرتا ہے تو ایسا محسوس کرتا ہے جیسا کوئی شخص پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو اور اس کی ڈر رہا ہو کہ یہ پہاڑ ٹھہر کر گر جائے گا۔ اور جب فاجر کوئی گناہ کرتا ہے تو ایسا آسان محسوس کرتا ہے جیسا کہ منجھتی ناک پر بیٹھ گئی اور اُس کو ہاتھ سے اُڑا دیا۔ مشکوٰۃ تراویح جلد ۱۱

اللہ جل شانہ عالم الغیب ہیں، وہ سب گناہوں کو بھی جانتے ہیں اور گناہوں کے بعد اُن کے حالات کو بھی۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں باوجود معاصی کے بھی اپنی رضا اور خوشنودی کے پروانے جگہ جگہ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن الْآفَاقِ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن الْمَهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ
وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا
عَنْهُ وَآعَدَ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

اور جو ہاجرین اور انصار سابق اور معتزم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص (احسان) کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے ایسے باغ ہیتا کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

{بیان القرآن}

بیان القرآن کے حاشیہ پر درمنثور سے وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ کی تفسیر میں ابن زید سے نقل کیا ہے کہ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ میں تمام

مسلمان قیامت تک کے آگے جو احسان کے ساتھ ان حضرات کے متبع ہوں اس لئے صحابہ کرامؓ یا مشائخ عظامؓ کی کسی معصیت پر ان کی شان میں گستاخی کرنا اپنے کو محروم کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ان سے راضی اور تم ناراض۔ قرآن پاک کی متعدد آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مغفرت، ضحوان وغیرہ کے مبشرات ہیں اور یہ معاصی علام الغیوب کے علم میں بھی ہیں، لیکن چون کہ اس کے علم میں یہ بھی ہے کہ ان معاصی کے باوجود ان کی مغفرت، دخول فی الجنتہ وغیرہ کے وعدے ہیں تو ایسی حالت میں صحابہ کرامؓ کی کسی معصیت پر ان کی شان میں گستاخی نہایت ہی حماقت اور جرات ہے۔ اور ان حضرات کی لغزشوں کو آڑ بنا کر خود کوئی گناہ کرنا اس سے زیادہ حماقت ہے۔ اس لئے کہ ان کے گناہوں کی معافی تو آیات قطعہ سے ثابت ہوگئی، مگر ہمارے لئے ان کو آڑ بنا کر کسی قسم کا گناہ کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلقی اللہ جل شانہ کا قطعی ارشاد ہے:-

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ
وَسَوَّاهُ لَكُمْ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ. أُولَٰئِكَ
هُمُ الرَّاغِبُونَ، فَضَّلَهُمُ اللَّهُ وَنِعْمَةً، وَاللَّهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ

لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوا کر دیا اور کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی، ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ جاننے والے اور حکمت والے ہیں۔ {بیان القرآن}

بِیَانِ الْقُرْآنِ مِیْنِ فَسُوقِ کِی تفسیر گناہ کبیرہ اور عصیان کی تفسیر گناہ صغیرہ سے کی ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے توصفائے کتبائے انشاء اللہ سارے ہی مغفوت ہیں، ان کی کسی غلطی پر گرفت کرنا انتہائی خطرناک ہے اور ان کے صفائے کبائر کی آڑ لیکر خود عمل کرنا اپنے لئے ہلاکت ہے۔

فتح مکہ میں حضرت حاطب بن بلتعث نے مکہ والوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ غزوہ کی اطلاع کر دی، وہ خط پکڑا لیا۔ حضرت عمرؓ کو تو جوش آتا ہی تھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے، میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بدیہی ہیں، تجھے کیا خبر کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو فرمادیا ہو کہ میں تمہاری مغفرت کر دی جو چاہے کرو۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ عقیدہ واسطیہ ص ۱۴۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے قواعد و مقررات میں سے یہ ہے کہ صحابہؓ کے بارے میں ان کے قلوب اور زبان محفوظ رہیں۔

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”میرے صحابہؓ کو میرا کوئی قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی اُنہ پہاڑ کے برابر (اللہ تعالیٰ کے راستہ میں) سونا خرچ کرے تو میرے صحابہؓ کے ایک مدد ملے آدھے مدد کے برابر بھی (ثواب کے اعتبار سے) نہیں پہنچ سکتا۔“

اور اہل سنت والجماعت ان تمام چیزوں کو قبول کرتے ہیں صحابہؓ کے فضائل و مراتب کے بارے میں جو قرآن و حدیث اور اجماع میں وارد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے فرمادیا کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت

کردی اور یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جنھوں نے بیعت فرمائی ہے وہ جہنم میں نہیں جائیں گے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے، اور وہ چودہ تنگو کے قریب ہیں۔

اور اہل سنت والجماعت صحابہؓ کے درمیان جو مشابہات ہوئے اس میں کلام کرنے سے احتراز کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو اقوال اُن کے عیوب کے نقل کئے جاتے ہیں اُن میں بعض تو بالکل جھوٹ ہیں اور بعضوں میں تغیر و تبدل کیا گیا ہے اور جو صحیح بھی ہیں تو صحابہؓ ان میں معذور ہیں۔ یا تو مجتہد مصیب ہیں یا مجتہد مخطی ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود اہل سنت صحابہؓ کے معصوم ہونے کے قائل نہیں ہیں بلکہ گناہ ان سے ہو سکتے ہیں، مگر ان کے فضائل اور مناقب ایسے ہیں کہ اگر اُن سے گناہ ہو بھی جاویں تو ان سے معاف ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے وہ گناہ بھی معاف تمنا کیے جو بعد والوں سے معاف نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ان کے پاس ایسی نیکیاں گن ہوں کو مٹانے والی ہیں جو بعد والوں کے پاس نہیں ہیں۔

پھر ان میں سے اگر کسی سے گناہ ہوا بھی ہے تو یقیناً اُس نے توبہ کر لی ہے یا اتنی نیکیاں کیں جن سے وہ سیناٹ معاف ہو گئے یا اُن کے قدیم الاسلام ہونے کی وجہ سے یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے کہ یہ حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے سبب زیادہ مستحق ہیں۔ یا دنیا میں ہی کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئے جس سے معافی ہو گئی۔ یہ بات تو ان گناہوں کے متعلق ہے جو محقق تھے، پھر جن امور میں اجتہاد کو بھی دخل تھا اُن کا تو کیا پوچھنا کہ اگر وہ صواب پر تھے تو دوا اجر اور غلطی پر تھے تو ایک اجر اور غلطی معاف (جیسا کہ عام

مجتہدین کے لئے بھی یہی قاعدہ ہے) پھر ان کی جن باتوں پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ بہت ہی کم ہیں۔ ان کے فضائل اور محاسن کے مقابلہ میں اور ایمان باللہ اور ایمان بالرسولؐ اور جہاد فی سبیل اللہ، ہجرت اور نصرت اور علم نافع اور عمل صالح کے مقابلہ میں۔ اور جو آدمی بھی صحابہ کرامؓ کی سیرت کو علم اور بصیرت سے غور کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے جن فضائل سے ان کو مشرف کیا ہے وہ یقینی طور پر جان لے گا کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد افضل ترین ہیں۔ نہ ان جیسے پہلے ہوئے نہ بعد میں ہوں گے اور وہ اس خیر الامم کے چنے ہوئے حضرات ہیں۔ فقط حضرت شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے جو لکھا بالکل صحیح ہے۔ قرآن پاک کی آیات کثرت سے ان حضرات کے فضائل مناقب اور ان حضرات کی تکفیر سیئات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لِّلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ الْاٰتِیَةُ بِاَرۡہٗ ۲۵ (مال فتنے کے مصارف میں ارشاد فرماتے ہیں)

”ان حاجت مند مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے مجبور کر دیئے گئے، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں اور ان لوگوں کا جو ان سے پہلے دارالاسلام میں اور ایمان میں قرار پکڑے ہوئے ہیں، جو ان کے پاس ہجرت کر کے آئے اس کو یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اُس سے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ اُن پر فاقہ ہی ہو، اور جو شخص اپنی طبیعت کے جبل سے محفوظ رکھا جائے، ایسے ہی لوگ فلاح پاتے ہیں۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿الَّذِينَ هَاجَرُوا دِيارَهُمْ وَآٰخِرُ حَوٰجِبِهِمْ دِيارَهُمْ﴾
(پارہ ۱، سورہ آل عمران کا آخری رکوع)

”سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھر میں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دیئے گئے میری راہ میں اور جہاد کیا اور شہید ہو گئے، ضرور ان لوگوں کی تمام خطا میں معاف کر دوں گا اور ضرور اُن کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ عیون ملیکا اللہ تعالیٰ کے پاس سے، اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے۔“

اس قسم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو حقوق معاف کرنے کو بتلا رہی ہیں اور اللہ جل شانہ تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں کہ میں ضرور بالضرور ان کے گناہوں کو معاف کروں گا۔ مگر ”معی مسست گواہ چیست“ ہمارے محققا کہتے ہیں کہ وہ تو گنہگار تھے، چنان تھے چنیں تھے۔“

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو کوئی میرے کسی ولی سے عداوت رکھے اُس کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور صحابہ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا ولی کون ہو سکتا ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو میرے صحابہؓ کے بارے میں، میرے بعد ان کو (اعتراضات کا) نشانہ نہ بنائیو، جس نے میرے صحابہؓ سے محبت رکھی تو اُس نے مجھ سے محبت کی وجہ سے محبت رکھی، اور جس نے میرے صحابہؓ سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے بغض رکھا۔ جس نے میرے صحابہؓ کو تکلیف دی اُس نے مجھے تکلیف دی، اور جس نے مجھے تکلیف دی اُس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی، اور جس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی قریب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ

کی پکڑ میں آجائے {اخرہ الترمذی}

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ فضائل صحابہؓ سے وہی شخص واقف ہے جو اُن کے حالات اور ان کی زندگی سے واقف ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور وصال کے بعد اُن کا ایمان میں تقدم اور کفار سے جہاد اور دین کا پھیلاؤ اور شعائر اسلام کا اعلان اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کا کلمہ بلند کرنا اور انھیں سنن کی تعلیم، اور اگر وہ نہ ہوتے تو دین کی کوئی اصل یا فرع ہم تک نہیں پہنچتی اور ہم کسی سنت یا فرض سے واقف نہ ہوتے اور نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اعتقاد اور حالات ہم تک پہنچتے۔ لہذا جو ان کی شان میں گستاخی کرے وہ دین سے بیکار گیا اور مسلمانوں کے طریقہ سے خارج ہو گیا۔ اس واسطے کہ کسی میں طعن کرنا اُس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ اُن کی بُرائیوں کو دل میں جگہ نہ دے اور بغض دل میں نہ ہو اور جب تک کہ ان فضائل کا جن کا ذکر اللہ نے قرآن میں کیا ہے اُن کا منکر نہ ہو اور جب تک ان فضائل و مناقب اور محبت جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے ملتی ان کا منکر نہ ہو۔ اور اس وجہ سے بھی طاعن صحابہؓ دین سے نکل گیا کہ یہ صحابہؓ ہی ماثور و منقول میں بہترین و افضل ترین وسیلہ ہیں، اور وسیلہ پر طعن اصل پر طعن شمار ہوتا ہے اور ناقلاً پر عیب لگانا منقول پر عیب لگانا ہے، اور یہ باتیں اس شخص کے لئے ہیں جو غور و فکر کرے۔ اور نفاق اور زندقہ اور الحاد سے اس کا عقیدہ پاک ہو بالکل ظاہر ہے اور صحابہؓ کے فضائل کے لئے وہ اخبار و آثار ہی کافی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بعض صحابہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیں بُرا بھلا کہا جاتا ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہؓ

کو جو بڑا بھلا کسے اُس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔ اور دوسری جگہ میں حضرت انسؓ سے ہی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چنا اور میرے لئے میرے صحابہؓ کو چنا اور میرے لئے ان کو دوست اور بھائی اور رشتہ دار بنایا۔ اور آئندہ ایک قوم آئے گی جو ان پر عیب لکھ لگے گی اور ان کے مرتبہ کو گھٹائے گی۔ پس تم ان کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ ان سے نکاح کرو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو اور نہ ان پر جنازہ کی نماز پڑھو فقط حافظ ذہبی نے اور بھی بہت سی روایات کتاب الکبائر میں نقل کی ہیں اور علماء نقل کیلئے کہ جو صحابہ کرامؓ کی خدمت کرے یا ان کی غلطیوں کو ڈھونڈے یا ان کے عیوب کا ذکر کرے یا ان کی طرف عیوب کو منسوب کرے تو ایسا شخص منافق ہے۔

یہ مختصر رسالہ علماء کے ان اقوال کو نہیں جمع کر سکتا جو صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخی کرنے والوں یا ان کے عیوب کو پھیلانے والوں کے متعلق آئے ہیں۔ اسی طرح باغ فدک وغیرہ کی روایات میں بھی خلیجان نہیں ملتا ہے۔ یہی اشکالات، اعتراضات کانوں میں پڑتے رہے مگر میں ہمیشہ ہی یہ سوچتا رہا کہ جس بضعتہ الرسول نے باپ کی ساری زندگی میں چکی پیس پیس کر گزر کیا ہو، پانی کی مشک اٹھانے سے بدن پر نشانات پڑ گئے ہوں، وہ آبا جان کے انتقال کے بعد ایسی مال کے اوپر گرے کہ خلیفہ برحق حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بولنا چھوڑے؟ یہ لڑائی اور اسی طرح مشابہات صحابہؓ کی ساری لڑائیوں پر ہمیشہ شرح صدر رہا کہ یہ سب کاسب قوت ایمانہ تھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ عنہم کو مال کی طبع پاس کو نہیں تھی

اور کیسے ہو سکتی تھی جبکہ ان کے چاکروں کے چاکروں کے دل میں بھی نہ ہو۔ یہ ساری لڑائیاں ایمانی، اعتقادی، علمی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکے میں وراثت شرعاً ہے یا نہیں؟ حضراتِ بخین رضی اللہ عنہما "ما ترکنا صدقہ" کو عموم سمجھتے تھے اور یہ حضرات خصوص سمجھتے تھے۔ یہ علمی اور اجتہادی بحثیں تھیں۔ حضرت فاطمہؓ عنہا کا حضرت ابو بکر صدیقؓ سے نہ بولنا جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے اس سے مراد اس مسئلہ یعنی فدک کے معاملہ میں نہ بولنا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ انہیں اپنے سوال میں قلق ہوا اس واسطے کبھی اس مال کے بارے میں گفتگو نہیں کی جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں بعض روایات سے اس کی تائید نقل کی ہے۔ یہ تو حضراتِ شراحِ کرام کی رائے ہے بندہ کے ذہن میں ہمیشہ سے اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان کا یہ مطالبہ مال کی محبت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ حکم شرعی کی تنفیذ کیلئے تھا۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو شرعاً اس کا مستحق سمجھتی تھیں، اسی لئے انہوں نے اس پر اظہارِ ناراضگی اور ترکِ کلام فرمایا۔ اور یہ چیز میرے نزدیک سراسر تصلب فی الدین تھی۔ اور اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ اس معاملہ کو پیش کیا اس وجہ سے کہ ممکن ہو کہ حضرت عمرؓ کی رائے ان حضرات کے موافق ہو، مگر حضرت عمرؓ کی رائے بھی وہی تھی جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی۔

اسی طرح مشاجرات صحابہؓ میں حضرت خلفاء ثلاثہ کا زمانہ اس کے مناسب نہیں تھا، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ کیونکہ حضرت خلفاء راشدین ثلاثہ کے ادوار میں دوسرے اہم امور درپیش تھے، اور جبکہ ان سب کی تکمیل ہو گئی تو

خلفاء راشدین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دور باقی تھا جس میں مخالفت خلیفہ کا مسئلہ بھی حل ہونا ضروری تھا تاکہ خلفاء راشدین و ہمدین کے دور میں اس مسئلہ کی بھی تکمیل ہو جائے اس لئے یہ مسائل اسی زمانہ میں پیش آنے ضروری تھے۔ اس لئے مجھے کبھی اس میں اشکال نہیں ہوا کہ حضرات صحابہ کے جو مشاجرات ہیں وہ حُب جاہ و مال یا عصبیت کی وجہ سے تھے، بلکہ وہ انکی قوت ایمانیہ کی علامتیں تھیں، جس چیز کو حق سمجھتے تھے اس کی حفاظت امانت میں جنگِ جدل سے بالکل نہیں کرتے تھے۔ جو باطل ان حضرات کے ان افعال اقوال کو بشری کمزوری سمجھتا ہے اس کو نہیں نے کبھی قابل التفات نہیں سمجھا اور جس کی بھی حدیث پاک پر گہری نظر ہوگی وہ کبھی نہیں سمجھے گا۔

اس ناکارہ نے اپنے رسالہ ”الاعتدال“ میں مشاجرات صحابہ کے سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔ جنگِ جمل (جو حضرت عائشہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جنگ کا نام ہے) کتنی سخت لڑائی تھی۔ تقریباً بیس ہزار آدمی اس میں شہید ہوئے، لیکن جب معرکہ شروع ہو رہا تھا اور دونوں طرف سے گھمسان کی لڑائی شروع ہونے کو تھی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سب سے آگے بڑھے اور مد مقابل جماعت میں سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو آواز دی، وہ بھی سب سے آگے بڑھے۔ دونوں نے معاف کیا اور دونوں روئے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے مجبور کیا کہ تم یہاں مقابلہ پر آگئے۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلے۔ دونوں حضرات میں گفتگو ہوتی رہی۔ یہ ایسے دو مخالفوں کا برتاؤ ہے جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلواریں نکالے ہوئے بالکل تیار بیٹھے تھے۔ اس کے بعد معرکہ ہوا اور حضرت علیؑ کی جماعت کو فتح ہوئی

دوسری جماعت کے بہت سے افراد قید ہوئے۔ حضرت علیؑ کی جماعت کے بعض افراد نے اصرار کیا کہ ان قیدیوں کو قتل کیا جائے، حضرت علیؑ نے قبول نہیں کیا بلکہ دوبارہ ان سے بیعت لیتے رہے اور معاف فرماتے رہے۔ ان غلو بین کے مال کو غنیمت قرار دیا لیکن ان کی جانوں کو قیدی بنانے سے انکار کر دیا۔ لوگوں نے اس پر بھی اصرار کیا کہ جب ان کے مال غنیمت بنائے گئے تو جانیں بھی قیدی بنائی جائیں، حضرت علیؑ اول انکار فرماتے رہے، آخر اپنی جماعت کے اصرار پر ارشاد فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ اپنی ماں حضرت عائشہؓ کو باندی بنا کر اپنے حصہ میں لینے پر تم میں سے کونسا تیار ہے؟ انہوں نے عرض کیا نستغفر یعنی ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے ہیں، یہ تو نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ”وانا استغفر اللہ“ میں بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ کیا ہم بھی کسی مخالف کا کوئی احترام باقی رکھتے ہیں۔ دشمنی اور مقابلہ میں تلوار اٹھانا بہت بڑی چیز ہے کیا ہم معمولی سا خلاف کرنے والے کا بھی اتنا احترام رکھتے ہیں جتنا یہ حضرات مقابلہ میں تلوار اٹھانے والوں کا رکھتے تھے۔ اس لڑائی کے خاتمہ کے وقت حضرت عائشہؓ (جو دوسری جماعت کے سرگروہ میں تھیں) کا اونٹ زخمی ہو کر گرا ہے تو حضرت علیؑ نے جلدی سے کہا ”دیکھو ام المؤمنین کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی“ اس کے بعد حضرت علیؑ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس تشریف لے گئے، فرمایا انا جان کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی، اللہ جل شانہ آپ کی غلطی کو معاف فرمائے۔“

حضرت عائشہؓ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ تمہاری بھی مغفرت فرمائے“

یہ تھا مخالفوں کے ساتھ معاملہ اور یہ تھی مقابلین کی عزت افزائی

بھم لوگوں کو اپنے کسی حریف پر تسلط حاصل ہو جائے تو ہمارا کیا برتاؤ ہو، کسی بھائی پر غلبہ ہو جائے تو اُس کی جان، مال، آبرو کوئی چیز بھی ایسی ہے جس پر ہم رحم کر سکتے ہیں؟

جنگ صفین حضرت علیؑ و حضرت معاویہؓ کے درمیان مشہور لڑائی ہو متعدد مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر دن کے وقت فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جا کر ان کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے (البدایہ والنہایہ ص ۲۲۴) اور ایک فریق کو مسائل کی ضرورت پیش آتی تو دوسرے فریق کے پائل دی بھیج کر ان کو حل کراتے۔ یہ اُن کے دینی اعتماد کا حال تھا (تاریخ الخلفاء)

قیصر روم نے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر اُن پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ حضرت معاویہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قیصر روم کے نام ایک خط میں لکھا اگر تم نے اپنا ارادہ پورا کرنے کی ٹھان لی تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے ساتھی (حضرت علیؑ) سے صلح کر لوں گا، پھر تمہارے خلاف اُن کا جو لشکر روانہ ہوگا اُس کے ہر اہل دستے میں میں شامل ہو کر قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنا دوں گا اور تمہاری حکومت کو گاجر بولی کی طرح اُکھاڑ پھینکوں گا۔ (ساج العروس ص ۲۸۸ ماہ ص ۲۸۸)

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ قیصر روم نے حضرت معاویہؓ کو خط لکھا تھا کہ تم کو حضرت علیؑ نے سزا کھا ہے تمہاری مدد کے لئے میں فوج بھیج دوں۔ اس حضرت معاویہؓ نے اُس کو لکھا کہ لے نصرانی گئے! میرے اور علیؑ کے درمیان جو اختلاف ہے تو اُس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ یاد رکھو کہ اگر تو نے حضرت علیؑ

کی طرف ترجیحی نگاہ سے دیکھا تو سب سے پہلے علیؑ کے لشکر کا سپاہی بن کر تیری آنکھیں پھوڑ دینے والا معاویہ ہوگا۔

اسی طرح حضرت معاویہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ علیؑ مجھ سے بہتر اور مجھ سے فضل ہیں اور میرا ان سے اختلاف صرف حضرت عثمانؓ کے قصاص کے مسئلہ میں ہے اور اگر وہ خون عثمانؓ کا قصاص لے لیں تو اہل شام میں اُن کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا سب سے پہلے میں ہوں گا۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۲۹) (مقام صحیفہ)

امیر معاویہؓ کی حکومت میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص ابن خبزی نے اپنی بیوی سے کسی زنا کرتے دیکھ لیا، صبر نہ ہو سکا اور اس کو قتل کر دیا حضرت معاویہؓ کے پاس مقدمہ پہنچا، اُن کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا فیصلہ فرمادیں۔ قاتل کی سزا قصاص لیکن قاتل جن حالات میں صادر ہوا وہ بھی بالکل نظر انداز کرنا مشکل۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ حضرت علیؑ سے اس بارے میں مسئلہ تحقیق کر کے لکھیں (موطا امام مالک ج ۲)

کیا ہم بھی اپنے کسی سیاسی مخالف کے سامنے جہل کا اقرار کر سکتے ہیں کسی مسئلہ میں جو باہمی نزاعی نہ ہو اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں؟ ہمارے سیاسی مخالف کا نہ کوئی قول معتبر ہے نہ وہ اس قابل ہے کہ کوئی شخص کسی مسئلہ میں اس کی طرف رجوع کرے۔ (الاعتدال ص ۲۳۲)

حضرت معاویہؓ کے تو حضرت علیؑ کے ساتھ ایسے قصے بہت سے مشہور ہیں۔ عزیز مولوی یوسف نور اللہ مرحوم نے بھی حیات الصحابہ ص ۱۹ میں کئی قصے لکھے ہیں۔ حضرت ضرار بن ضمیرؓ کہانی جو حضرت علیؑ کی جماعت کے تھے

حضرت علیؓ کے انتقال کے بعد حضرت معاویہؓ کے پاس گئے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ کیا انیسویں مجھے اس سے معاف کریں گے؟ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میں بالکل معاف نہیں کروں گا مگر وہ بیان کر۔ حضرت ضرارؓ نے عرض کیا کہ اگر ضروری ہی ہے تو سنئے کہ حضرت علیؓ خدا کی قسم بڑے مرتبہ والے اور جہی قوت والے تھے۔ دو ٹوک بات کہتے تھے اور انصاف کا فیصلہ کرتے تھے۔ ان کی ہر سمت سے علم اُبلتا تھا اور ہر طرف سے دانائی گویائی کرتی تھی۔ دنیا اور دنیا کی زینت متوش تھے۔ رات اور اس کی تاریکی سے مانوس تھے۔ خدا کی قسم بڑے رونے والے تھے اور..... بڑے سوچ والے تھے اور اپنی ہتھیلیوں کی پلٹ اپنے نفس کو خطاب کیا کرتے تھے مختصر لباس آپ کو پسند تھا اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا۔ خدا کی قسم وہ ہم میں (بغیر کسی خصوصی امتیاز کے) ایسے رہتے تھے جیسے ہم میں کا ایک آدمی ہو۔ جب ہم حاضر ہوتے تو ہمیں اپنے قریب بٹھاتے تھے اور ہم جو بات پوچھتے اُس کا جواب دیتے۔ اور ہم اس اختلاط اور سادگی کا وجود ان سے اُن کی ہمیت کی وجہ سے بولنے کی ہمت نہیں کرتے تھے۔ اور جب ہنستے تو ان کے دانت پڑے ہوئے موتیوں کی طرح ظاہر ہوتے۔ دینداروں کی عظمت کرتے تھے اور سناکین سے محبت رکھتے کسی قوی سے قوی آدمی کو بھی اپنے باطل میں کامیابی کی امید نہیں ہوتی تھی اور ضعیف سے ضعیف آدمی آپ کے انصاف سے مایوس نہ ہوتا۔ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ بعض اوقات میں نے اُن کو دیکھا کہ رات کی اندھیروں میں اپنی محراب میں اپنی ڈاڑھی کو کپڑے ہوئے ایسے بے چین ہیں جیسے کسی زہریلے جانور نے کاٹ رکھا ہو اور ایسے رورہے ہیں

یسے کوئی غمزدہ، اور گویا آپ کی آواز آج بھی میرے کان میں گونج رہی ہے، وہ بار بار فرماتا ہے تھے یا رَبَّنَا، یا رَبَّنَا اور گڑگڑا رہے تھے۔ پھر دنیا کو خطاب کر کے فرماتا ہے تھے تو مجھے ہی دھوکہ دینا چاہتی ہے اور میرے ہی لئے مرتین بن کر آتی ہے، مجھ سے دور ہو جا، میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے، میں تو تجھے تین طلاق دے چکا ہوں۔ تیری عمر بہت تھوڑی ہے۔ تیری مجلس بہت چھیر ہے، اور تیرے مصائب آسان ہیں۔ ہائے ہائے! تو شرِ آخرت کم ہے اور سفرِ بہت لمبا ہے اور راستہ وحشتناک ہے۔

یہ حالات سن کر حضرت معاویہؓ کے آنسو نکلنے لگے کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور اُن کو آستین سے پوچھنا شروع کیا اور پاس بیٹھنے والوں کے بھی روتے روتے دم گھٹنے لگے اور حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا، ابوالحسن (حضرت علیؓ) ایسے ہی تھے، اللہ تعالیٰ اُن پر رحم کرے۔

ضرار! تمہیں حضرت علیؓ کی وفات کا غم کتنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جیسا کہ کسی ماں کی گود میں اُس کا اکلوتا بیٹا زنج کر دیا جائے کہ اُس کے آنسو نہیں ٹھم سکتے اور اس کا غم کبھی کم نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد حضرت ضرار چلے آئے۔

چونکہ احسان جس کا اُدھر ذکر آیا وہ بھی دین کی تکمیل کا ایک جزو تھا اُس کو بھی علیؓ وجہ الشیوع اسی دور میں ہونا چاہیے تھا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد اِنَّا دَارُ الْحِکْمَةِ وَعَلٰی بَابِهَا کُلُّ نَفْسٍ تَصُوِّفُ وَحِکْمَتٌ تَقْرِبُهَا سَاعَیْهِ سَلَسَ حَضْرَتُ عَلٰی کَرَمِ اللہ وَجْہہ کے واسطے سے چلتے ہیں۔

عمل بالقرآن

اس ناکارہ نے اپنے رسالہ ”الاعتدال“ ”چیل حدیث“ میں ایک مضمون لکھا تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر علم چاہتے ہو تو قرآن پاک کے معانی میں غور و فکر کرو کہ اس میں اولین و آخرین کا علم ہو مگر کلام پاک کے معنی کے لئے جو شرائط و آداب ہیں ان کی رعایت ضروری ہو یہ نہیں کہ ہمارے زمانہ کی طرح سے جو شخص عربی کے چند الفاظ کے معنی جان لے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بغیر کسی لفظ کے معنی جانے اور درجے و یکساں اپنی رائے کو اس میں داخل کرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن پاک کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ لے اگر وہ صحیح ہو تب بھی اُس نے خطا کی مگر آجکل کے روشن خیال لوگ قرآن پاک کی ہر آیت میں سلف کے اقوال کو چھوڑ کر نئی بات پیدا کرتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ہر روشن خیال اس قدر جامع الاوصاف اور کامل و مکمل بننا چاہتا ہے کہ وہ معمولی سی عربی عبارت لکھنے لگے بلکہ نہ صرف اردو عبارت دلچسپ لکھنے لگے یا تقریر برجستہ کرنے لگے تو پھر وہ تصوف میں جنید و شبلی کا استانیہ فقہ میں مستقل مجتہد ہے۔ قرآن پاک کی تفسیر میں جو نئی سے نئی بات دل چاہے گھڑے نہ اس کا پابند کہ سلف میں سے کسی کا یہ قول ہے یا نہیں اس کی پرواہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس کی نفی تو نہیں کرتے۔

اس لئے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا تصوف جو گویوں سے لیا گیا ہے وہ دین سے بالکل ناواقف ہیں۔ تصوف کی ابتدا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے ہے، اور خاص انداز سے تسلسل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور سے ہے، جیسا کہ اپنی جگہ پر آئے گا، یہ بہت سی تفصیلی مضمون ہے، کاش میری صحت اجازت دیتی تو ان چیزوں کو بہت ہی وضاحت سے لکھتا۔

میرے اس مذکورہ بالا مضمون سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس ناکارہ کو کبھی کسی حدیث پر کوئی اشکال ہی پیش نہیں آیا۔ ہاں اتنا ہو گیا کہ جس حدیث میں کوئی اشکال ہوا اور وہ حل نہ ہو تو اس کو میں اپنی کم مائیگی اور قلت علم پر محمول کرتا ہوں۔ میں اپنی ایک چھوٹی بچی کا قصہ آپ بیٹی میں لکھوا چکا ہوں کہ جب وہ قاعدہ بغدادی پڑھ رہی تھی اور اُس کی ایک تختی میں الف کھڑا زبر فون زبرن، آن۔ ب الف زبر با، فون زبرن، بان۔ تان، ثان۔ اخیر میں سی والدہ نے پڑھایا ہمزہ الف زبر آ فون زبرن، آن۔ تو وہ بچل گئی کہ آیا یہ آن کیونکہ بنا، ہمزان کیوں نہیں بنا۔ اس کی ماں نے تو یہ کہہ سمجھا چھڑا لیا کہ جب تیرے آباؤں گے اُن سے پوچھیے، اور میں بھی اس کے سمجھانے سے عاجز رہا تو میں نے کہا کہ ابھی تیری سمجھ اتنی نہیں، جب بڑی ہو جائے گی تو خود سمجھ میں آجائے گا۔

اسی طرح جب کسی حدیث پاک میں کوئی اشکال پیش آئے تو مجھے اپنی بچی کا جواب یاد آجاتا ہے کہ ابھی تیری سمجھ اتنی نہیں۔

وہ دین میں مذہب میں جو چاہے کہے، جو منہ میں آئے بچکے کیا مجال ہے کہ کوئی شخص اُس پر نیک کر سکے یا اس کی گمراہی کو واضح کر سکے، جو یہ کہ یہ بات اسلاف کے خلاف ہے وہ لیکر کا فقیر ہے، تنگ نظر ہے، پست خیال ہے تحقیقاً عجیب سے عاری ہے۔ لیکن جو یہ کہے کہ آج تک جتنے اکابر نے، اسلاف نے جو کچھ لکھا وہ سب غلط ہے اور دین کے بارے میں نئی نئی بات نکلے وہ دین کا محقق ہے حالانکہ اہل فن نے تفسیر کیلئے پندرہ علوم پر مہارت ضروری بتلائی ہے مختصر عرض کرتا ہوں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ بطن کلام پاک تک رسائی ہر شخص کو نہیں ہو سکتی۔

اول لغت، جس سے کلام پاک کے مفرد الفاظ کے معنی معلوم ہو جائیں مجاہد کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُس کو جائز نہیں کہ بدون معرفت لغات عرب کے کلام پاک میں کچھ لکب کشائی کرے اور چند لغات کا معلوم ہو جانا کافی نہیں، اس لئے کہ بسا اوقات لفظ چند معانی میں مشترک ہوتا ہے اور وہ ان میں سے ایک دو معنی جانتا ہے اور فی الواقع اس جگہ کوئی اور معنی مراد ہوتے ہیں۔

دوسرے نحو کا جانا ضروری ہے اس لئے کہ اعراب کے تغیر و تبدل سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں۔ اور اعراب کی معرفت نحو پر موقوف ہے۔ جیسے ایک شخص نے سپاہیانہ زندگی کا جوش بھیلانے کیلئے وَكْفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ! کافی ہے اللہ کے لئے مؤمنوں کو (صرف ایک عمل) قتال۔ تیسرے صرف کا جانا ضروری ہے۔ اس لئے کہ بناو اور صیغوں کے اختلاف سے معانی بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ جس

شخص سے علم صرف فوت ہو گیا اُس سے بہت کچھ فوت ہو گیا۔ علامہ مختاری عجوبات تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے قرآن پاک کی آیت یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاثٍ بِاُمِّهَا وَاِهْمُ (جس دن کہ پکاریں گے ہم ہر شخص کو اُس کے مقتدری اور پیش رو کے ساتھ) اس کی تفسیر صرف کی ناواقفیت کی وجہ سے یہ کہ جس دن پکاریں گے ہر شخص کو اُن کی ماؤں کے ساتھ۔ امام کا لفظ جو مفرد تھا اُس کو اُم کی جمع سمجھ لیا۔ اگر وہ صرف سے واقف ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ اُم کی جمع امام نہیں آتی۔

چوتھے اشتقاق کا جانا ضروری ہے۔ اس لئے کہ لفظ جبکہ دو مادوں سے بنتے ہو تو اس کے معنی مختلف ہوں گے۔ جیسا کہ مسیح کا لفظ ہے کہ اس کا اشتقاق مسیح سے بھی ہے جس کے معنی چھونے اور تر ہا تھا کسی چیز پر پھیرنے کے ہیں۔ اور مساحت سے بھی ہے جس کے معنی پیمائش کے ہیں۔ پانچویں علم معانی کا جانا ضروری ہے جس سے کلام کی ترکیب معنی کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہے۔

چھٹے علم بیان کا جانا ضروری ہے جس سے کلام کا ظہور و خفا، تشبیہ و کنایہ معلوم ہوتا ہے۔

ساتویں علم بدیع جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔ تینوں فن علم بلاغت کہلاتے ہیں، مفسر کے اہم علوم میں سے ہیں اس لئے کہ کلام پاک جو مراسر اعجاز ہے اس سے اس کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔

آٹھویں علم قرأت کا جانا بھی ضروری ہے، اس لئے کہ مختلف

قرأتوں کی وجہ سے مختلف معنی معلوم ہوتے ہیں اور بعض معنی کی دوسرے معنی پر ترجیح معلوم ہو جاتی ہے۔

نویں علم عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اس لئے کہ کلام پاک میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے ظاہری معنی کا اطلاق حق سبحانہ و تقدس پر صحیح نہیں۔ اس لئے ان میں کسی تاویل کی ضرورت پڑے گی جیسے کہ یدلّ اللہ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ۔

دسویں اصول فقہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ جس سے وجوہ استدلال و استنباط معلوم ہو سکیں۔

گیارہویں اسباب نزول کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ شان نزول سے آیت کے معنی زیادہ واضح ہوں گے اور بے اوقات اصل معنی کا معلوم ہونا بھی شان نزول پر موقوف ہوتا ہے۔

بارہویں نسخ و منسوخ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ منسوخ شدہ احکام معمول بہا سے ممتاز ہو سکیں۔

تیرہویں علم فقہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ جزئیات کے احاطہ سے کلیات پہچانے جاتے ہیں۔

چودھویں ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جو قرآن پاک مجمل آیات کی تفسیر واقع ہوئی ہیں۔

ان سب کے بعد پندرہواں وہ علم وہی ہے جو حق سبحانہ و تقدس کا عطیہ خاص ہے، اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے جس کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے من عمل بما علم ورثه الله علم

ما لم يعلم (جب کہ بندہ اس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو جانتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا)

اہل اصول نے لکھا ہے کہ شریعت پر عمل کرنے کیلئے اس کے اصول کا جاننا ضروری ہے جو قرآن، حدیث اور اجماع ہے اور چوتھے قیاس جو ان ہی سے تنبسط ہو۔

پھر قرآن پاک پر عمل کرنے کیلئے چار چیزوں کا معلوم ہونا ضروری ہے پہلا نظم قرآنی، صیغہ اور لغت کے اعتبار سے۔ اس کی بھی چار قسمیں ہیں:- خاص، عام، مشترک، مؤول۔

دوسری قسم وجوہ بیان، اس کی بھی چار قسمیں ہیں:- ظاہر، نص، مفسر، محکم۔ اور چار قسمیں ان کے مقابل، خفی، مشکل، مجمل، متشابہ۔

اور تیسری تم نظم قرآن کے استعمال کو جاننا۔ یہ بھی چار قسمیں ہیں: حقیقت، مجاز، صریح، کنایہ۔

اور چوتھی قسم قرآن پاک کی مراد پر مطلع ہونے کے طرق، یہ بھی چار ہیں:- عبارتہ نص، اشارۃ نص، دلالتہ نص، اقتضائہ نص۔

اور ان سب کے بعد بھی ایک مستقل قسم ہے جو سب کو شامل ہے۔ یہ بھی چار ہیں:- ناخذ اشتقاق کو جاننا۔ ان کے مفہیم اصطلاحیہ کو جاننا اور ان کی ترتیب کو جاننا اور ان پر مرتب ہونے والے احکام کو جاننا۔ امر کے متعلق یہ جاننا ضروری ہے کہ کہاں وجوب کیلئے ہے اور کہاں جواز کیلئے اور استحباب کیلئے اور تکہار کیلئے۔ قرآن پاک میں لفظ "ادا" کبھی "قضا" کے معنی میں آتا ہے اور کبھی قضا، ادا کے معنی میں۔ نیز امر کبھی مطلق ہوتا ہے کبھی مقید، امر مقید

کی چار قسمیں ہیں۔ یہ سب امور اصول فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں، ہم نے یہ نور الانوار سے مختصر نقل کئے ہیں۔

ابوداؤد شریف (بذل ۱۹۱) میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ تمھارے بعد فتنوں کا زمانہ آنے والا ہے کہ مال کی کثرت ہو جائے اور قرآن عام ہو جائے گا حتیٰ کہ اس کو مومن اور منافق، مرد، عورت، بڑا، چھوٹا غلام، آزاد سب پڑھنے لگیں گے تو ایک کہنے والا کہے گا کہ لوگ میری اتباع کیوں نہیں کرتے، حالانکہ میں نے قرآن پڑھا ہے۔ یہ اس وقت تک میری اتباع نہیں کریں گے یہاں تک کہ میں کوئی نئی بات نہ گھڑوں۔ حضرت معاذ نے فرمایا کہ اپنے کوئی نئی بدعتوں سے بچاتے رہیو کیونکہ جو بدعت نکالی جائے گی وہ گمراہی ہوگی۔ فقط۔

جو لوگ اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے دنیا میں قرآن کو پھیلا دیا وہ حدیث بالاکہ روشنی میں موجب ہلاکت و فساد ہے، قرآن پاک کا ترجمہ برکت کی واسطے موجب برکت لیکن مسائل کا استنباط کرنا علوم قرآن سے واقفیت بغیر سرگز جائز نہیں تاوقتیکہ ان علوم سے واقفیت نہ ہو جن کا ذکر مفصل اوپر گذرا کہ احکام کا مستنبط کرنا ان علوم پر موقوف ہے جو اوپر گزرے۔ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ یُؤْتَى الْحِكْمَةَ مَنْ شَاءَ الْآيَةُ۔ اس سے مراد ہے قرآن کی معرفت اس کے ناخ و منسوخ، محکم و متشابہ، مقدم و مؤخر، حلال و حرام اور اس کے امثال وغیرہ کو جاننا۔

حدیث

حدیث کے سمجھنے کیلئے اہل اصول نے تصریح کی ہے کہ قرآن پاک پر عمل کرنے کیلئے جو امور جاننے ضروری ہیں جن کی تفصیل اوپر گزر چکی وہ سب حدیث پر عمل کرنے کیلئے بھی ضروری ہیں اور ان کے علاوہ چونکہ قرآن پاک قطعی ہے اس لئے احادیث میں جو امور قطعی ہیں جیسے پانچ وقت کی نماز اور ہر نماز کی رکعات۔ اس کے علاوہ چوں کہ احادیث نقلی ہیں ان پر عمل کرنے کیلئے چند امور کا جاننا مزید ضروری ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے منجۃ الفکر (جو اصول حدیث کی کتاب ہے) میں انواع حدیث کے ذیل میں لکھا ہے کہ حدیث پاک اگر اتنے کثیر راویوں سے منقول ہو کہ جن کا جھوٹ پر متفق ہونا ناممکن ہو اور یہ اتنی کثرت ہر دور میں پائی جاتی ہو تو یہ حدیث متواتر ہے اور یہ حدیث قطعی ہوتی ہے قرآن پاک کی طرح۔ اور اگر اسکے راوی کسی دور میں اس کثرت کے ساتھ نہ باقی رہیں تو اس کو مشہور کہتے ہیں۔ تیسری قسم عزیز ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں دو، دوہوں، اور اگر ایک ہی راوی ہو تو اس کو غریب کہتے ہیں۔ یہ دونوں اخبار احادیث داخل ہیں۔ اور خبر احادیث بعض مقبول ہوتی ہیں بعض غیر مقبول، جو راویوں کی تحقیق حال کے بعد متعین کی جاتی ہیں۔ پھر غرابت میں بھی کئی قسمیں ہیں کہ اول سند کے اعتبار سے ہو یا آخر سند کے اعتبار سے۔ اور خبر واحد کا راوی اگر عادل ہو، حفظ کے اعتبار سے کامل ہو اور حدیث متصل السند ہو اور معلل اور شاذ نہ ہو تو اس کو حدیث صحیح کہتے ہیں۔

معلل اسے کہتے ہیں کہ جس کے اندر کوئی مخفی علت ہو۔ اور شاید اسے کہتے ہیں کہ ثقہ راوی دوسرے ثقات کے خلاف روایت کرے اور ان اوصاف کے کم و بیش ہونے سے روایت کے درجہ صحت میں بھی کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اعلیٰ درجہ صحیح لفظ کا ہے، دوسرا درجہ صحیح لغیرہ کا ہے۔ اسی طرح حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ۔ اس طرح سے حدیث کا معروف و منکر ہونا، محفوظ ہونا، متابع و شاہد ہونا، یہ اقسام حدیث ہیں جن کی تعریفیں معلوم ہونی ضروری ہیں تاکہ حدیث کا درجہ معلوم ہو سکے۔ اگر دو متعارض حدیثوں میں جمع ممکن ہو تو مختلف الاحادیث کہلاتی ہیں۔ اور جمع ممکن نہ ہو اور تاریخ معلوم ہو جائے تو نسخ و منسوخ کہتے ہیں۔ اور اگر تاریخ معلوم نہ ہو تو پھر وجہ ترجیح میں سے کسی کے ذریعہ سے ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دیں گے۔ اور وجہ ترجیح حازی نے "کتاب الاعتبار" میں پچاس گنوائی ہیں۔ اور علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ دوسرے علمائے سوسے زائد وجہ ترجیح بتائی ہیں۔ چنانچہ حافظ عراقی نے اپنی کتاب التلک میں تسو گنوائے ہیں۔ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں ستو سے زائد گنوا کر لکھا ہے کہ اس سے زائد ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا مفصل مضمون آگے آ رہا ہے جس میں انہوں نے کسی حدیث پاک پر عمل نہ کرنے اور معمول بہ نہ قرار دینے کی دس وجہیں بیان کی ہیں اور اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ وجہ تو ظاہر ہیں اور بعض احادیث ایسی ہوتی ہیں جن پر عمل ترک کرنے کیلئے مبالغہ عالم کے پاس کوئی ایسی وجہ ہوتی ہے جس کو وہ ظاہر نہیں کرتا۔ کیونکہ علم کا میدان بہت وسیع ہے اور ہم ان سب چیزوں کو نہیں سمجھتے جو ان علماء کے ذہنوں میں تھیں اور عالم کبھی اپنی حجت ظاہر کرتا ہے اور کبھی ظاہر نہیں کرتا۔ اور اگر ظاہر بھی کرے تو ہم تک بسا اوقات

اس کا کلام پہنچتا ہے اور کبھی نہیں پہنچتا اور..... اگر ہم تک پہنچ بھی جائے تو کبھی ہم اس کے احتجاج کی وجہ سمجھتے ہیں اور کبھی نہیں سمجھ پاتے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا پورا کلام آگے آ رہا ہے۔ آگے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اگر وجہ ترجیح میں سے کوئی نہ پائی جائے تو وہاں توقف کیا جاتا ہے۔ اور روایت کبھی کسی راوی کے چھوٹنے کی وجہ سے اور کبھی کسی راوی میں طعن کی وجہ سے غیر مقبول ہو جاتی ہے۔ سند میں جو راوی چھوٹ گیا اگر وہ سند کے اوپر کی جانب یعنی درجہ صحابہؓ میں ہے تو اس کو مرسل کہیں گے۔ اور اگر مصنف کے استاد کی طرف سے ہو تو معلق کہلائے گی اور اگر کوئی راوی درمیان سند سے ساقط ہو جائے تو ایسی حدیث کو منقطع کہتے ہیں۔ اور اگر دو یا دو سے زیادہ راوی پائے درپے چھوٹ گئے ہوں تو اس کو معضل کہتے ہیں۔ اور اگر یہ انقطاع ظاہر ہو تو ظاہر ہے ہی اور اگر ظاہر نہ ہو تو اس کو مدلس کہیں گے۔ پھر جن وجہ سے راوی میں طعن ہوتا ہے اس کی دس قسمیں ہیں :-

احادیث پر عمل کرنے کیلئے اصول حدیث پر واقفیت بہت ضروری ہے۔ نمونہ کے طور پر چند انواع ذکر کئے۔ ان کے علاوہ حافظ ابن حجرؒ نے حدیث مقلوب، مضطرب، مصحف، محرف، مرفوع، مقطوع، مسند، اعلو المطلق، العلو النسبی، الموافقة، پھر اس میں بدل مساوات، مصافحہ نزول، اقران، مدح، روایت الاکابر عن الاصاغر، السابق واللاحق مسلسل متفق و مفترق، مؤلف و مختلف، متشابہ وغیرہ ابحاث کا جاننا ضروری ہے۔

یہ حدیث کیلئے کافی نہیں کہ کسی حدیث کے ترجمہ کی کتاب دیکھ لی جائے اور محدث بن گئے اور اس سے مسائل کا استنباط شروع کر دیا۔ اور ان اباحات میں حافظ ابن حجر نے خود لکھ دیا کہ ان سب اباحات کا اس مختصر میں آنا مشکل ہے ان کیلئے مطولات دیکھی جائیں محض کسی حدیث کے ترجمہ کی کتاب یا فضائل کی کتاب دیکھ لینا کافی نہیں محدث بننا بہت مشکل ہے۔ اسی طرح مترجم قرآن پڑھ لینا قرآن دانی کیلئے کافی نہیں تا وقتیکہ اس کے سب علوم و صفات نہ ہو ورنہ سخت غلطی میں ابتلاء کا اندیشہ ہے۔ جیسے ایک صاحب اہل حدیث کا طریقہ تھا کہ جب بھی استنباح سے فارغ ہو کر آتے تو نماز وتر کی نیت باندھ لیتے کسی نے دریافت کیا کہ کیا پڑھتے ہو تو جواب دیا کہ حدیث میں ہے مَنْ اسْتَبَحَّ حَمْرًا فَلَيْسَ بِتَرٍّ (کہ جو شخص استنجا کرے اس کو چاہیے کہ وتر پڑھے) حالانکہ حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص استنجا کرے اس کو وتر یعنی طاق عدد و صیلوں سے استنجا کرنا چاہیے۔ یہاں ان سے غلطی ہوئی کہ انہوں نے عدد و ترک نماز وتر سمجھا جو کھلی غلطی ہوئی۔

اسی طرح ایک صاحب اپنے کنویں سے دوسرے کو پانی کھیت میں دینے نہیں دیتے تھے اور سختی سے روکتے کیونکہ حدیث میں ہے وَلَا يَسْقِي أَحَدَهُمْ مَاءَهُ ذَرْعًا غَيْرَهُ (کوئی شخص اپنا پانی دوسرے کی کھیتی میں نہ ڈالے) حالانکہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی عورت مثلاً باندی دوسرے سے حاملہ ہو اور اس کی ملک میں آئے تو یہ اس سے صحبت نہ کرے۔ ماء سے مراد مٹی ہے اور ذرع سے مراد شرمگاہ ہے۔ اور اس جیسی اور بھی مثالیں ہیں جن کو ابن الجوزی نے تلبیس ابلیس میں لکھا ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمران بن حصینؓ سے پوچھا کہ تم بہت سی ایسی حدیثیں بتاتے ہو جن کی کوئی اصل قرآن میں نہیں ہوتی تو حضرت عمران بن حصینؓ غضبناک ہو گئے اور فرمایا کہ کیا تم نے قرآن میں کہیں پایا کہ ہر چالیس درہم میں ایک درہم زکوٰۃ کا ہوگا، اور اتنی اتنی بکریوں میں اتنی بکریاں زکوٰۃ کی ہوں گی اور اتنے اتنے اونٹوں میں اتنے اونٹ ہوں گے۔ کیا یہ سب چیزیں قرآن میں پائی ہیں؟ اُس نے کہا کہ نہیں تو فرمایا کہ تم نے کہاں سے یہ چیزیں لیں۔ تم خطے ہم سے اور ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اور بہت سی چیزیں اسی طرح جزئی مسائل کی زکوٰۃ کے علاوہ ذکر فرمائیں جن کی تفصیل قرآن میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک پر عمل کرنے کیلئے حدیث کا جاننا بہت ضروری ہے، اور ان سب کے جاننے کیلئے قرآن و حدیث کیلئے جو امور اوپر مذکور ہوئے جانا ضروری ہیں۔

اس مضمون کے ختم پر حضرت امام بخاریؒ نے محدث کیلئے ایک چوڑا ارشاد فرمایا ہے جو رباعیات بخاریؒ سے مشہور ہے مقدمہ اوپر میں بھی ذکر کیا گیا ہے اور میرے رسالہ اختلاف الأئمہ میں بھی ہے۔ اسی سے یہاں بھی نقل کرتا ہوں :-

محدثین نے علم حدیث کے توغل کیلئے اس کی بصیرت اور اسمیں زبان و قلم ہلانے کے لئے بڑے سخت قواعد مرتب فرمائے ہیں۔ طالب حدیث کیلئے بھی قواعد و شرائط مقرر فرمائے ہیں۔ محدث و معلم کیلئے اس سے زیادہ ادنیٰ اور سخت حدود و معین فرمائی ہیں۔ اگر یہ مضمون بے ارادہ معہ یہ رسالہ اشاعت العلوم سہانپور ہند اور دیگر کتب خانوں سے حاصل کیجئے۔

طویل ہوتا جا رہا ہے لیکن وقتی ضرورت سے امام بخاری کی ایک عجیب حکایت اس جگہ نقل کرتا ہوں جس سے یہ اندازہ ہو گا کہ علم حدیث کے حاصل کرنے کے لئے اور اس کا طالب علم بننے کیلئے بھی سلف صالحین نے کس قدر جاننا ہی کو فخری قرار دیا ہے چہ جائیکہ محدثیت و شیخت۔

محمد ابن احمد کہتے ہیں کہ جب ولید ابن ابراہیم مقام ربی کے قضا سے معزول ہو کر بخارا پہنچے تو میرے استاد ابو ابراہیم ختلی مجھے ساتھ لے کر انکی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ نے جو روایات حدیث ہمارے مشائخ اور اساتذہ سے سنی ہیں ان کو روایت کر دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے احادیث کی روایات نہیں سنی ہیں میرے استاد نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ آپ اتنے بڑے فقیہ متبحر ہو کر ایسی بات فرماتے ہیں۔ انہوں نے اپنا قصہ سنایا کہ جبک میں عاقل بالغ ہو گیا اور مجھے علم حدیث کا شوق ہوا تو میں امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی غرض ظاہر کی۔ انہوں نے صاحبانہ ارشاد فرمایا کہ بیٹا جب کسی کام کا ارادہ کر تو اس سے پہلے اس کے متعلق اس کے لوازمات حالات دریافت کر لینا چاہئیں۔ اس کی حدود و معلوم کر نیلے بعد اس کا ارادہ کرنا چاہئے، اب سنو! کہ آدمی محدث کا مل اس وقت تک نہیں ہو سکتا کہ چار چیزوں کو چار چیزوں کے ساتھ ایسے لکھے جیسے کہ چار چیزیں چار چیزوں کے ساتھ مثل چار چیزوں کے چار زمانوں میں چار حالات کے ساتھ چار مقامات میں چار چیزوں پر چار نوع کے اشخاص سے چار اغراض کیلئے، اور یہ سب چوکڑے پورے نہیں ہو سکتے مگر چار چیزوں کے ساتھ جو دوسرے چار کے ساتھ ہوں، اور جب یہ سب پورے

ہو جاویں تو اس پر چار چیزیں سہل ہو جاتی ہیں اور چار مصائب کے ساتھ مبتلا ہوتا ہے اور جب ان پر بھی صبر کرے تو حق تعالیٰ شانہ چار چیزوں کے ساتھ دنیا میں اکرام فرماتے ہیں اور چار چیزیں آخرت میں نصیب فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں ان چوکڑوں کی تفسیر تو فرمادیجئے۔ انہوں نے فرمایا، ہاں ہاں سنو!

وہ چار، جن کے لکھنے کی ضرورت پڑتی ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ احادیث اور احکامات اور صحابہ کے ارشادات اور ان صحابہ کے مراد کر کوئی شخص کس درجہ کا ہے اور تابعین کے ارشادات اور ان کے حالات کہ کوئی شخص معتبر ہے اور کون غیر معتبر اور جملہ علماء و رواۃ کے حالات اور ان کی تواتر مع ان چار چیزوں کے کہ ان کے اسما و رجال لکھے، ان کی کنیتیں، ان کے رہنے کے مقامات اور ان کی پیدائش و وفات کے زمانے (جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ جن لوگوں سے روایت کر رہا ہے ان سے ملاقات بھی ہوئی ہے یا نہیں) ایسی لازمی ہے جیسے خطبے کے ساتھ حمد و ثنا اور رسل کے ساتھ دعا، یعنی ان پر صلوٰۃ و سلام اور سورت کے ساتھ بسم اللہ اور نماز کے ساتھ تکبیر (اور مثل چار چیزوں کے) جیسے منادات، مرسلات، موقوفات، مقطوعات، کہ علیم حدیث کی چار اقسام کے نام ہیں (چار زمانوں میں) بچپن میں، قریب البلوغ زمانہ میں، بالغ ہونے کے بعد اور بڑھاپے سے پہلے تک (حاصل کرتا ہے) اور چار حالات کا مطلب یہ ہے کہ مشغولی کے وقت، فراغت کے وقت، تنگی میں اور تو نجری میں۔ غرض ہر حال میں اسی طرف لگا ہے اور اسی کی دھن ہو (چار مقامات میں) یعنی پہاڑوں پر، دریاؤں میں، شہروں میں، جنگلوں میں

غرض جہاں جہاں کوئی معلم حدیث معلوم ہو سکے اس سے حاصل کرے (چار چیزوں پر) یعنی پتھروں پر، سیدیوں پر، پکڑے پر، ہڈیوں پر، غرض اس وقت تک کہ کاغذ ملے اور اس پر لکھنے اور نقل کرنے کی نوبت آنے جو چیز ملے اس پر لکھ دے تاکہ مضمون ذہن سے نہ نکل جائے اور جن چار سے حاصل کرے وہ اپنے سے بڑے اور چھوٹے اور برابر کے اور اپنے باپ کی کتب سے بشرطیکہ اس کا خط پہچانتا ہو (غرض جس طرح بھی معلوم ہو سکے کو تا ہی نہ کرے نہ اپنے برابر والے سے یا چھوٹے سے حاصل کرنے میں عار کرے) چار چیزوں کی نیت سے سب سے مقدم حق سبحانہ تقدس کی رضا کے واسطے کہ آقا کی رضا کا طالب رہنا غلام کا فرض ہے۔ دوسرے جو مضامین کتاب اللہ کے موافق ہوں ان پر عمل، تیسرے طالبین و شائقین تک پہنچانا۔ چوتھے تصنیف و تالیف کہ بعد میں آئیوں کے لئے تسبیح ہدایت باقی رہے۔ اور یہ سب مذکورہ بالا حاصل نہیں ہو سکتے مگر چار چیزوں کے ساتھ جو بندہ کی کسبی ہیں کہ آدمی اپنی محنت سے مشقت سے ان کو حاصل کر سکتا ہے، وہ علم کتابت یعنی لکھنا اور علم لغت کہ جس سے الفاظ کے مطالب معلوم ہو سکیں اور صرف و نحو کہ جن سے الفاظ کی صحت معلوم ہو سکے اور یہ سب ایسی چار چیزوں پر موقوف ہیں جو حق تعالیٰ شانہ کی عطایائے محضہ ہیں۔ بندہ کے کسب پر موقوف نہیں وہ صحت قدرت حرص علیٰ تعلیم اور حافظہ۔ اور جب یہ سب حاصل ہو جائیں تو اس کی نگاہ میں چار چیزیں (طلب علوم کے مقابلہ میں) حقیر ہو جاتی ہیں۔ اہل اولاد۔ مال اور وطن اور پھر چار مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دشمنوں کی شہادت، دوستوں کی مٹ

جاہلوں کے طعنے اور علماء کا حسد۔ اور جب آدمی ان سب پر صبر کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ چار چیزیں دنیا میں نصیب فرماتے ہیں اور چار آخرت میں دنیا کی چار حسب ذیل ہیں :- اول قناعت کے ساتھ عزت دوسرے کمال یقین کے ساتھ وقار و ہیبت اور تیسرے لذت علم اور چوتھے دائمی زندگی۔ اور آخرت کی چار یہ ہیں :- اول شفاعت جس کے لئے دل چاہے۔ دوسرے عرش کا سایہ اس روز جس دن کہ اس کے سوا کوئی سایہ ہی نہیں ہوگا، تیسرے حوض کوثر سے جس کو دل چاہے پانی پلائے۔ چوتھے انبیاء کا قرب اعلیٰ علیین میں۔

پس بیٹا! میں نے جو کچھ اپنے مشائخ سے متفرق طور پر سنا تھا مجھلاً سب بتا دیا ہے۔ اب تجھے اختیار ہے کہ حدیث کا مشغلہ اختیار کر یا نہ کر۔ فقط۔

ف

فقہ کی تعریف جو عام طور سے فقہاء کرام نے لکھی ہے یہ ہے کہ:
 فقہ کہتے ہیں شریعت کے فروعی احکام جاننے کو جو تفصیلی لائل
 سے حاصل ہوں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تعریف اس طرح منقول ہے
 کہ ”فقہ کہتے ہیں نفس کے لئے مضر اور نافع چیزوں کے جاننے کو“ لیکن
 امام صاحب کی یہ تعریف عقائد اور اخلاق اور اعمال ظاہرہ سب کے شامل
 ہے لیکن بعد والوں نے اعتقادات کے متعلقات کا نام علم الکلام رکھ دیا
 اور اخلاقیات کے متعلقات کا نام علم الاخلاق و تصوف رکھ دیا اور اعمال ظاہرہ
 کے متعلقات کو فقہ کے ساتھ مخصوص کر دیا۔

حضرت مولانا اعجاز علی صاحب نے مقدمہ کنز الدقائق میں حاوی قدسی
 سے نقل فرمایا ہے کہ فقہ کے معنی لغت میں وقوف یعنی واقفیت اور اطلاع کے
 ہیں اور شریعت میں وقوف خاص یعنی مخصوص علم مراد ہے یعنی نصوص کے معانی
 اور ان کے اشارات و دلالات اور مقتضیات پر وقوف۔ اور دوسری جگہ لکھا
 ہے کہ فقہ ایک ایسی قوت و استعداد ہے جس سے منقول کی تصحیح اور معقول
 کی ترجیح کی جاتی ہے..... اور ماخذ فقہ کا قرآن پاک ہست مطہر، اجماع
 اور قیاس (جیسا کہ شروع میں نور الانوار سے منقول ہو چکا) ہے۔ لہذا فقہ
 کیلئے بھی ان چیزوں کا معلوم ہونا ضروری ہے جو قرآن و حدیث کے ذیل میں

لکھا جا چکا۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے التکشف میں یہ
 لکھا ہے ”شریعت نام ہے مجموعہ احکام تکلیفیہ کا، اس میں اعمال ظاہری
 و باطنی سب آگئے اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو اس کا مراد
 سمجھتے تھے جیسے امام ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تعریف میں منقول ہے معرفۃ
 النفس مالہا و ما علیہا پھر متأخرین کی اصطلاح میں اعمال
 ظاہرہ سے متعلق علم کا نام فقہ ہو گیا ہے اور اعمال باطنی سے متعلق علم کا نام
 تصوف و طریقت ہو گیا“ (التکشف ص ۱۵) مضمون حضرت نے امداد الفتاویٰ
 میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

علامہ عبد الوہاب شعرانی نے المیزان الکبریٰ (ص ۱۶۲) ایک کتاب
 لکھی ہے جو مجھے تو بہت پسند آئی اور طالب علمی کے اخیر زمانہ میں اور مدرسہ
 کے ابتدائی زمانہ میں بہت کثرت سے میرے مطالعہ میں رہی۔ ان کی کتاب کا
 موضوع یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین میں حقیقت کے لحاظ سے کوئی اختلاف نہیں۔
 ظاہری طور پر جو اختلاف نظر آتا ہے وہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے
 مثلاً امام ابو حنیفہؒ نے رفع یدین کا انکار اپنے زمانہ کے اعتبار سے کیا
 اور حضرت امام شافعیؒ نے رفع یدین کا اثبات اپنے زمانہ کے اعتبار سے کیا۔
 امام ابو حنیفہؒ کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا اور رفع یدین کی حقیقت
 طرح دنیا و راہ نظر ہے ان کے زمانہ میں ایک دفعہ جب دنیا کو پھینک
 دیا تو پھر وہ نماز میں ہٹ کر نہیں آئے تھے اور حضرت امام شافعیؒ کے زمانہ
 میں کہ ان کی پیدائش اس سال میں تھی جس سال میں امام ابو حنیفہؒ کا انتقال ہوا۔

[illegible]

وهذا مثال قبا بلامة المجتهدين على نحو الحيازة في الاجنحة الذي هو مظلم بحر الشريعة المطهرة والدينيا
 وانما ذكرنا فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم قبا بلامة الاجنحة لانه وانا لواحد المقام الايات
 شريفة فكان من كمال تقيهم والجنحة شهوة الله صلى الله عليه وسلم فقاموا بهد ان شاء الله تعالى :



امام شراقی نے پہلی مثال کے بارے میں لکھا ہے کہ نقشۃ المؤمنین جی کے مذاہب کے راستوں کی ایک مثال ہے اور
برائستے سے سنت کی طرف جارہے ہیں جو حق بھی غلطی کے ساتھ ان مذاہب میں سے کسی ایک پر عمل کر لینگے ۔ وہ
الشارعہ اشرفہ سیدہ حاجت کے دروازہ پر پہنچے گا ۔ اور دوسری مثال کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ یا زید مجتہدین
کے کنوئیں اور سننوں کا نقشہ ہے جو واقع ہے سنت کی مہر جیات پر جس کا دنیا میں دو درجہ صورت دے دینے شریعت مطہرہ
ہے اور ہم نے اس نقشہ میں ان کے قبروں کے نقشہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اسنے ڈنگ لیکہ ہے کہ ان حضرات نے ائمہ اربعہ
کو یہ جو کہ مقام عالی حاصل ہوا ہے وہ صرف ان حضرات صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے اتباع کا نتیجہ ہے میں جنت میں آئی قبروں
اور ارحم حقوں کا مال اس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بکمال وجمال کے مشاہدہ اور حضور میں تجھ سے اور یہ بھی عمر خرمز یا ہے کہ
ہم نے تمام ان مجتہدین میں سے صرف ان اربعہ کو نقشہ میں اسنے نیلے یہ مکان چاروں کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ باقی ان میں
سے صرف انھیں کا نقشہ اور انھیں کے مذاہب خرد سے اسے بن گیا دنیا میں مدون رحب اور عفو فواہیں اور ان چاروں کو
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی نیا بت حاصل ہے اسے عفو بھی اللہ تعالیٰ کو شریعت محمدیہ یک درہم عافانی
کرے میں اور ان چار حضرات کو آپ سے ایسی خصوصی دیکھی ہے جس کی بنا پر یہاں جاسکتے ہے کہ یہ چاروں ائمہ آپ
صلی اللہ علیہ وسلم سے روز دنیا میں نکلیں اور ان اربعہ کو اس نقشہ میں جس ترتیب سے میں نے قیے بنائے ہیں وہ قطعی
اور کوئی شک یا ہی نہیں ہے بلکہ ان کی شکل اس شکل کے مطابق ہے جس سے جنت میں اپنے بعض احوال میں دیکھی ہے ۔
قاعہ فہدہ باب العاشر

دنیا پھینکنے کے بعد سچر آگئی تھی اس لئے دنیا کو بار بار رفع یدین سے سچے پھینکنا پڑے تھا نیز انہوں نے لکھا ہے کہ مس ذکر سے وضو ٹوٹنا اکابر کے لئے ہے اور نہ ٹوٹنا عوام کے لئے اگرچہ احتیاط حنفیہ کے یہاں بھی یہی ہے کہ وضو کی ناکہ خروج عن الخلاف ہو (میزان ۱۳)

امام شرفانی نے اپنے مراقبے اور مکاشفے سے اختلاف ائمہ کے سلسلہ میں بہت سے قبوں کے نقشے دیئے ہیں۔ اور تشکیلوں سے بہت سی مثالیں قائم کی ہیں جن کی صورتیں جدولوں کے طور سے بنائی ہیں، ہم ان میں سے صرف دو ذکر کرتے ہیں۔

(یہ صورتیں اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

امام شمرانی نے امام ابو حنیفہ کا نام سب سے اوپر کے جدول اور قبتہ میں لکھا اور اس کا منشا و ماخذ اپنے کشف کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ امام شمرانی اصحاب کشف میں سے تھے۔ میرے خیال میں ایک وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ ائمہ اربعہ کے زمانے اسی ترتیب سے ہیں جس ترتیب پر یہ قبتہ ان پر منکشف ہوئے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہی اور وفات ۱۵۰ھ میں ہے۔ مدت حیات ۱۰ سال امام مالک کی ولادت ۱۷۹ھ میں ہے اور وفات ۱۸۱ھ میں ہے۔ مدت حیات ۲ سال امام شافعی کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہے اور وفات ۲۴۰ھ میں ہے، مدت حیات ۹۰ سال امام احمد کی ولادت ۱۶۴ھ میں ہے اور وفات ۲۴۱ھ میں ہے، مدت حیات ۷۷ سال۔

میرے خیال میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اعظم فضائل کے اعتبار سے تو لکھا جاتا ہی ہے عمر کے اعتبار سے بھی امام اعظم سب سے بڑے ہیں۔ تکمیلًا للفائدۃ مستحدیث کا بھی زمانہ لکھا ہوں۔

امام بخاریؒ	ولادت ۱۹۴ھ	وفات ۲۵۵ھ	مدت حیات ۶۲ سال
امام مسلمؒ	۲۰۴ھ	۲۶۱ھ	۵۷
امام ابوداؤدؒ	۲۰۲ھ	۲۴۵ھ	۴۳
امام ترمذیؒ	۲۰۹ھ	۲۷۹ھ	۷۰
امام نسائیؒ	۲۱۵ھ	۳۰۳ھ	۸۸
امام ابن ماجہؒ	۲۰۹ھ	۲۷۳ھ	۶۴

ان میں سے اکثر تفایخ و سنین صاحب مشکوٰۃ کی مشہور تالیف الاکمال سے ماخوذ ہیں۔

اجتہاد

اجتہاد کے متعلق جناب الحاج مفتی محمد شفیع صاحب نے جواہر الفقہ ۱۲۲ میں لکھا ہے کہ علمائے سلف نے ایسے عالم کیلئے جس کی تقلید کرنی چاہیے (یعنی مجتہد کیلئے) ایک معیار مقرر کیا ہے۔ حضرت شاہ دلی اللہ صاحب قدس سرہ محدث دہلوی اپنی کتاب عقد الجدید میں فرماتے ہیں اجتہاد کی تعریف جو کلام علماء سے سمجھی جاتی ہے یہ ہے کہ خوب محنت کرنا دریافت کرنے میں شریعت کے احکام فرعی کو ان کی تفصیلی دلیلوں سے جن کی کلیات کا حال چار قسم پر ہے یعنی کتاب اور سنت اور اجماع اور قیاس پر۔ اور اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ اجتہاد والے کو ضروری ہے کہ قرآن و حدیث اس قدر جانتا ہو کہ جو احکام سے متعلق ہے اور اجماع کے موقعوں اور قیاس صحیح کی شرطوں اور نظر کی کیفیت اور علم عربیت اور ناسخ اور منسوخ اور راویوں کے حال سے واقف ہو۔ اور اجتہاد میں علم کلام اور اصطلاحی علم فقہ کی کچھ حاجت نہیں..... اور یہ جو ہم نے اجتہاد کی شرط ذکر کی ہے اصول کی کتابوں میں مشرح موجود ہے۔ اور کچھ مضائقہ نہیں کہ امام بغوی کا قول اس مقام میں یعنی بیان شرط اجتہاد میں ذکر کیا جائے۔ بغوی نے کہا ہے کہ مجتہد وہ عالم ہے کہ پانچ طرح کے علم کا حامی ہو: اول علم کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کا۔ دوم علم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ سوم علم علماء سلف کے اقوال کا کہ ان کا اتفاق کس قول پر ہے۔

اور اختلاف کس قول میں۔ چہارم علم لغت عربی کا۔ پنجم علم قیاس کا اور قیاس طریقہ حکم کے نکالنے کا قرآن وحدیث سے ہے جس صورت میں کہ حکم مذکور صریح قرآن یا حدیث یا اجماع کے نصوص میں مجتہد نہ پائے۔

(اب ان پانچوں علموں کی مقدار مفصل معلوم کرنی چاہیے کہ مجتہد کے لئے ہر ایک علم کتنا سیکھنا چاہیے) تو قرآن کے علم میں سے اس پر ان باتوں کا جاننا واجب ہے۔ ناسخ ومنسوخ وغیرہ (اس کی تفصیل عنوان قرآن پاک کے ذیل میں گذر گئی) اور حدیث میں سے ان اشیاء مذکورہ کا جاننا اور نیز صحیح وغیرہ (جن کا بیان عنوان حدیث کے ذیل میں گذر چکا) اسی طرح زبان عربی کے ان الفاظ کا جاننا واجب ہے جو قرآن یا حدیث کے احکامی امور میں واقع ہوئے ہیں نہ یہ کہ سب لغت عربی کو جانے۔ اور بہتر یہ ہے کہ لغت دانی میں اتنی محنت کرے کہ عرب کے کلام کے مقصود سے واقف ہو جائے۔ اس طرح کہ اختلاف مواقع اور حالات کی وجہ سے کلام مذکور سے یہ مراد ہوتی ہے اس لئے کہ خطاب شریعت عربی زبان میں وارد ہوا ہے تو جو شخص عربی نہ جانے گا وہ شارع علیالسلام کا مقصود نہ پہچانے گا اور اقوال صحابہ اور تابعین میں سے اس قدر جانے جو درباب احکام منقول ہیں۔ اور بڑا حصہ ان فتوؤں کا جانے جو امت کے فقہاء نے دیے ہیں تاکہ اس کا حکم مخالف سلف کے اقوال کے نہ پڑے ورنہ اس صورت میں اجماع کی مخالفت ہوگی اور جب ان پانچوں اقسام کے علموں میں سے بڑا حصہ جانتا ہوگا تو وہ شخص اس وقت مجتہد ہوگا اور یہ شرط نہیں کہ سب علموں کو بالکل جانتا ہو حتیٰ کہ کوئی چیز ان علوم کی اس سے باقی نہ رہے اور اگر ان علوم پنجگانہ میں سے ایک قسم سے بھی ناواقف ہو تو اس کی سبیل دوسرے کی تقلید کرنا ہے۔ انتہی۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی مغنی ص ۲۸۳ میں لکھتے ہیں کہ اجتہاد کی شرطوں میں سے چھ چیزوں کا جاننا ہے۔ قرآن پاک، حدیث شریف، اجماع، اختلاف قیاس اور عربی زبان۔ قرآن پاک کے بارے میں دس چیزوں کا جاننا ضروری ہے خاص عام وغیرہ (اس کی تفصیل پہلے گذر چکی) اور حدیث میں ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جو احکام سے متعلق ہیں نہ ساری احادیث جن میں جنت و دوزخ وغیرہ کا ذکر ہے اور قرآن پاک کیلئے جن چیزوں کا جاننا ضروری ہے وہ سب احادیث پاک کیلئے بھی ضروری ہے۔ ان کے علاوہ احادیث کے اقسام آحاد وغیرہ (ان کی تفصیل پہلے گذر چکی) اور ان مسائل کا جاننا ضروری ہے جو علماء میں مجمع علیہا یا مختلف فیہا ہیں اور قیاس میں اس کے شرائط، انواع کیفیت استنباط وغیرہ کا جاننا ضروری ہے۔ اور عربی زبان میں سے اتنی مقدار کا جاننا جو امور مذکورہ کے متعلق ہو۔

حافظ ابن قیمؒ اعلام الموقعین ص ۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ خطیب نے کتاب الفقیہ المتفقہ میں امام شافعیؒ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں فتوے دے۔ سوائے اس شخص کے جو کتاب اللہ کا عالم ہو اور اس کے ناسخ ومنسوخ، حکم و منشاہ، تاویل وتنزیل، مکی ومدنی اور اس کی مراد سے واقف ہو۔ اور ان سب کے بعد حدیث شریف سے بھی قضا ہو اور اس کے ناسخ ومنسوخ وغیرہ اور قرآن کے بارے میں جو علوم گذرے حدیث کے بارے میں بھی ان سب کو جاننا ہو۔ اس کے بعد لغت عربی سے واقف ہو اور اشعار عرب سے بھی واقف ہو۔ اور قرآن وحدیث کے سمجھنے میں جن چیزوں کی ضرورت ہو ان سب کو جاننا ہو۔ اور اس سب کے بعد علماء کے

اختلاف اقوال سے بھی واقف ہو۔ اور یہ سب چیزیں اس کی کثرت کلمات کی وجہ سے (طبی بن جائیں۔ جب اس کا یہ حال ہو تو اس کیلئے جائز ہے کہ فتویٰ دے اور جو اس درجہ تک نہ پہنچے اُس کو فتویٰ دینا جائز نہیں۔ اور صالح ابن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبلؒ) سے پوچھا کہ آپ کا کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو وہ حدیث کے موافق فتویٰ دیدے اور فقہ سے واقف نہ ہو؟ تو فرمایا کہ جب کوئی شخص منصب افتاء پر بیٹھے تو اُس کیلئے ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک کی وجہ سے واقف ہو، احادیث سے واقف ہو اور اسانید صحیحہ کا عالم ہو اور اس کے بعد اوپر والا سارا کلام (امام شافعی صاحبؒ والا) ذکر کیا۔ اور عبداللہ بن مبارکؒ کے کسی نے پوچھا کہ آدمی کو فتویٰ دینا کب جائز ہے تو فرمایا کہ جب احادیث سے واقف ہو اور رائے میں بصیرت رکھتا ہو۔ اور یحییٰ ابن اکثمؒ کے کسی نے پوچھا کہ آدمی کو فتویٰ دینا کب درست ہے؟ تو فرمایا کہ جب رائے میں بھی بصیرت رکھتا ہو اور احادیث میں بھی بصیرت رکھتا ہو۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ رائے سے مراد قیاس صحیح اور معانی اوائل صحیحہ مراد ہیں جن پر شائع نے احکام کا مدار رکھا ہے اور ان کو احکام میں مؤثر بنایا ہے۔ (اعلام الموقعین ص ۵۳)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ عقدا لجید ص ۵ میں فرماتے ہیں کہ جو شخص ان علوم (مذکورہ بالا) کے معظم حصہ کو جان لے تو وہ مجتہد ہے۔ رافعی نووی وغیرہ بہت سے حضرات نے (جن کا احصاء مشکل ہے) تصریح کی ہے کہ مجتہد مطلق کی دو قسمیں ہیں، مستقل اور منتسب۔ اور ان کے کلام سے یہ ظاہر

ہوتا ہے کہ مجتہد مستقل تین چیزوں میں ممتاز ہوتا ہے۔ اول اصول میں تفسیر کر سکتا ہے جن پر اس کے مذہب کی بنا دے۔ دوسرے یہ کہ آیات، احادیث اور آثار کا منبع کرتا ہے ان مسائل کیلئے جو اُس کو درپیش ہیں اور ان میں متعارض دلائل میں سے رائج کو اختیار کرتا ہے اور ان اول کے جو ماخذ ہیں ان پر متنبہ کرتا ہے۔ اور تیسرے ان نئے مسائل میں کلام کرتا ہے جن میں اب تک کلام نہیں ہوا ہے ان ہی اولہ کی روشنی میں۔ اور مجتہد منتسب وہ ہے جو اصول میں تولیے شیخ کا متبع ہو اور متبع اولہ میں شیخ کے کلام سے اکثر مدد لیتا ہو اور وہ اس کے باوجود احکام کو دلائل سے جانتا ہو اور ان اولہ سے مسائل مشتبہ کرنے پر قادر ہو اور جو ان دونوں سے نیچے ہو وہ مجتہد فی المذہب کہلاتا ہے وہ اپنے امام کا قتلہ ہوتا ہے جس مسئلہ میں امام کی تصریح مل جائے۔ لیکن وہ اپنے امام کے قواعد سے واقف ہوتا ہے جن سے امام نے مسائل کا استنباط کیا تو اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا ہے جس میں امام کا کوئی نص نہیں ملتا تو وہ اپنے امام کے قواعد پر اجتہاد کر لیتا ہے اور مسائل کی تخریج کرتا ہے اُس کے قواعد پر۔ اور ان سب کے اخیر کا درجہ فی الفتیاء کا ہے اور وہ اپنے امام کے مذہب میں متبحر ہوتا ہے اور ایک قول کو دوسرے پر ترجیح دینے پر قادر ہوتا ہے۔ انتہی۔

علامہ ابن عابدین نے اپنے رسالہ شرح عقود و رسم المفتی میں فقہائے سات طبقے تحریر فرمائے ہیں :-

(۱) طبقۃ المجتہدین فی الشرع، جیسے ائمہ اربعہ وغیرہ جنہوں نے قواعد تجویز کئے اور فرعی مسائل کے احکام اول اربعہ (کتاب، سنت، اجماع، قیاس) سے مشتبہ کے بغیر کسی کی تقلید کے فروع یا اصول میں۔

(۲) دوسرا طبقہ مجتہدین فی المذہب جیسے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور وہ سائے امام ابو حنیفہؒ کے تلامیذ جنہوں نے امام صاحب کے قواعد کی روشنی میں احکام کی تخریج دلائل سے کی ہے اور ان حضرات نے اگرچہ بعض فروع میں اختلاف کیا ہے مگر اصول میں امام صاحب کے مقلد ہیں۔ اور یہی فرق ہے ان حضرات میں اور معارضین فی المذہب میں جیسے امام شافعیؒ وغیرہ۔ امام صاحب کے اصول میں مقلد نہیں۔

(۳) تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کا جو ان مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن میں امام صاحب سے کوئی نص منقول نہیں۔ جیسے خصاص طحاوی، کرنی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ خرخی، فخر الاسلام بزدوی قاضی خان وغیرہ کہ یہ حضرات امام کی مخالفت نہ اصول میں کرتے ہیں نہ فرع میں لیکن ان مسائل کا استنباط کرتے ہیں جن میں امام صاحب کا کوئی قول منقول نہیں، امام صاحب کے ہی اصول مقررہ پر۔

(۴) چوتھا طبقہ اصحاب التخریج کا ہے، جیسے ابوبکر رازی وغیرہ کہ یہ حضرات ایسے قول مجمل کی تفصیل پر جس میں دو احتمال ہوں قدرت رکھتے ہیں۔

(۵) پانچواں طبقہ اصحاب ترجیح کا ہے جیسے قدوری اور صاحب ہدایہ اور ان جیسے نوک۔ ان حضرات کا کام یہ ہے کہ یہ بعض روایات کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں کہ یہ اولیٰ ہے یا یہ زیادہ صحیح ہے یا یہ لوگوں کے حال کے زیادہ مناسب ہے۔

(۶) چھٹا طبقہ ان مقلدین کا ہے جو قوی اور ضعیف کے درمیان تمیز کر سکیں اور ظاہر مذاہب اور ظاہر الروایۃ، روایت نادرہ میں تمیز کر سکیں۔

صاحب کنز، صاحب الوقایۃ اور صاحب المختار وغیرہم۔

(۷) ساتواں طبقہ ان مقلدین کا ہے جو ان مذکورہ بالا امور میں سے کسی پر قادر نہ ہوں اور نہ اولیٰ وغیرہ اولیٰ، رائج و مرجوح میں فرق نہ کر سکیں۔

مولانا اعجاز علی صاحب نے اجتہاد کے بارے میں بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اجتہاد اصطلاح میں اُسے کہتے ہیں کہ پوری کوشش کرے حکم شرعی پختہ حاصل ہونے کیلئے۔ اس کے بعد اجتہاد کے شرائط بیان کئے ہیں جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہی شروط مجتہد کا آلہ ہیں۔ جو ان کے بغیر اجتہاد کا دعویٰ کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بغیر سیر و سہمی کے آسمان پر چڑھنے کا دعویٰ کرے۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ اس کو ان علوم کی مزاہلت اور اولہ میں تامل کی وجہ سے ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ جس سے وہ استنباط احکام اولہ سے کر سکے اور اس ملکہ کے بعد بھی ضروری ہے کہ وہ قواعد وضع کرے جن پر اپنے استنباطات اور تقریبات کی بنیاد رکھے۔ جیسے امام شافعیؒ اور فقہ ائمہ کے قواعد ہیں۔ اور یہی قواعد ہیں جنہوں نے لوگوں کو حقیقت اجتہاد کے مرتبہ تک پہنچنے سے عاجز کر رکھا ہے۔ اس لئے کہ اجتہاد کیلئے تنہا مذکورہ بالا علوم کا جاننا کافی نہیں ہے بلکہ ملکہ مذکورہ کا پیدا ہونا اور قواعد کا وضع کرنا بھی ضروری ہے۔ لہذا جو ان علوم میں سے کسی سے ناواقف ہو یا ان سب کو حاصل کر تو لیا مگر یہ ملکہ پیدا نہ ہوا یا اگر ملکہ بھی پیدا ہو گیا مگر اس نے قواعد وضع نہیں کئے اور اجتہاد کا دعویٰ کیا تو اس نے غلطی کی۔ علامہ سیوطی نے مع اپنی جملہ قدر کے اجتہاد کا دعویٰ کیا تو منادی فرماتے ہیں کہ ان کے اس دعویٰ کے خلاف علما عصر میں قیامت برپا ہو گئی اور مناظرہ کیلئے چیلنج کیا تو اس سے انہوں نے انکار کر دیا۔

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ جب علامہ سیوطی نے اجتہاد کا دعویٰ کیا تو سب نے

ان پر فوراً حملہ کیا اور ان کو ایسے مسائل کی ایک فہرست دی جو ذوق نہیں تھے کہ اگر ان کو اجتہاد کا ادنیٰ درجہ بھی حاصل ہے تو وہ اس میں سے جو رائج ہوں اس کے دلائل مجتہدین کے قواعد کی روشنی میں پیش کریں۔ تو انھوں نے سوال کا پیرچہ بغیر جواب کے واپس کر دیا اور یہ عذر کیا کہ مجھے مشغولی کی وجہ سے فرصت نہیں۔ اس کے بعد ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ اس منصب کی مشکلات پر غور کر دو کہ یہ تو اجتہاد کا ادنیٰ درجہ کا حال تھا اس سے واضح ہو چکا کہ جو شخص اس ادنیٰ درجہ اجتہاد کا دعویٰ کرے چہ جائیکہ اجتہاد مطلق، تو ایسا شخص اپنے بائے میں حیرت میں ہے اور فساد فکر میں مبتلا ہے اور ایسا شخص اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور جس نے بھی اجتہاد مطلق کے مرتبہ کو سمجھ لیا ہے وہ اس زمانہ میں اجتہاد مطلق کی نسبت کسی کی طرف کرنے سے شرمائیکا بلکہ علامہ ابن الصلاح اور ان کے اتباع فرماتے ہیں کہ اجتہاد مطلق تین تئیسو سال سے بند ہو چکا ہے (ابن صلاح ساتویں صدی ہجری کے ہیں یعنی چوتھی صدی کے بعد سے بند ہے) بلکہ ابن صلاح نے بعض اصولیین سے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے بعد سے کوئی مجتہد مستقل نہیں ہوا۔ پھر لکھتا ہے کہ جب کہ ائمہ میں اس بات میں اختلاف ہے کہ امام ابوحنیفہؒ امام غزالیؒ اپنی جلالت قدر کے باوجود اصحاب وجہ میں ان کا شمار ہے یا نہیں، اور ائمہ نے روایات حسب الامر کے بارے میں تصریح کی ہے کہ وہ اصحاب وجہ میں سے نہیں تھے، حالانکہ روایاتی فرمایا کرتے تھے کہ اگر امام شافعیؒ کی روایات ضائع ہو جائیں تو میں انھیں یاد سے لکھوا دوں گا۔ تو جب یہ اکابر بھی اجتہاد فی المذہب کے اہل نہ ہو سکے تو ان لوگوں کو جب ان اکابر کی اکثر عبارات بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے کیسے جائز ہو گا کہ اس سے بھی اونچے درجہ اجتہاد مطلق کا دعویٰ کریں۔ سُبْحَانَكَ هَذَا أَهْلَانُ عَظِيمٌ۔

اور امام رافعیؒ نے منقول ہے کہ علماء کا تقریباً اجماع ہے اس بات پر کہ آج کوئی مجتہد نہیں۔

یہ طویل مضمون ہے جو قابلِ دید ہے۔ مولانا حبیب الرحمن عظیمیؒ زاد مجیکم کا ایک مضمون رسالہ ”الدامی“ ویو بند آخر شعبان ۱۳۹۶ھ میں چھپا ہے جو بہت جامع اور مختصر ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ اجتہاد جس کے متعلق علماء کہتے ہیں کہ وہ فلاں فلاں سنہ سے منقطع ہو گیا، اس سے مراد اجتہاد مطلق ہے۔ اس کی تصریح ابن صلاح اور ابن حجر مکیؒ نے کی ہے بلکہ ابن الصلاح نے بعض اصولیین سے یہاں تک نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے بعد سے کوئی مجتہد مطلق نہیں ہوا۔ اور علامہ شعرائیؒ فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے بعد کسی نے اجتہاد مطلق کا دعویٰ نہیں کیا سوائے امام ابن جریر طبرانیؒ کے، مگر اس کو قبول نہیں کیا گیا۔ یہ تو ہاتھ تارخی واقعہ، باقی یہ بات کہ کوئی مجتہد مطلق مستقل ائمہ اربعہ کے بعد ہو سکتا ہے یا نہیں تو علامہ شعرائیؒ فرماتے ہیں کہ ہاں امکان ضرور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے نہ ہو سکنے پر کوئی دلیل نہیں۔ اور مولانا عبادی صاحب فرماتے ہیں کہ جو یہ دعویٰ کرے کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا تو یہ غلط ہے، البتہ اگر یہ کہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی ایسا مجتہد نہیں ہوا جس کے دعویٰ اجتہاد کو مجہور نے مانا ہو تو یہ مسلم ہے۔

ائمہ مجتہدین متبوعین کا چار میں انحصار

حسرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ عقدا الجید میں فرماتے ہیں اس کا ترجمہ یہ ہے "جان کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان چاروں سے نکلنے میں بڑا مفسدہ بڑی (خرابی) ہے جس کو ہم دلائل سے بیان کرتے ہیں :-

اول یہ کہ اُمت اس بات پر متفق ہے کہ شریعت کے جاننے میں سلف پر اعتماد کرے، اسی وجہ سے تابعین نے اس بابے میں صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا۔ اسی طریقہ سے ہر طبقہ کے علماء نے اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا۔ اور عقل بھی اس کے اچھے ہونے پر دلالت کرتی ہو کیونکہ شریعت نقل اور استنباط ہی سے معلوم ہو سکتی ہے، اور نقل اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے کہ ہر طبقہ اپنے سے پہلے والوں سے اتصال کے ساتھ حاصل کیے اور استنباط میں ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب کو جانے تاکہ ان سے نکل کر اجماع کو توڑنے والا نہ بنے اور ان ہی پر اپنے قول کی بناء رکھے اور اس بابے میں ہر طبقہ اپنے سے پہلے والے سے مدد لے کیونکہ مصناعتیں جیسے صرف، نحو، طب، شعر، آہنگری، تجارتی، زنگریزی وغیرہ کسی کیلئے اس وقت تک آسان نہیں ہوتی جب تک وہ ان کے اہل کے ساتھ نہ رہے۔ اور اس کے خلاف اگرچہ عقلاً ممکن

ہے مگر نادرا و نادر ہے اور جب سلف کے اقوال پر اعتماد متعین ہو گیا تو یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے معتد اقوال اسناد صحیحہ کے ساتھ مروی ہوں اور مشہور کتب کے اندر مدون ہوں اور ان پر علماء کی طرف سے شرح و حواشی لکھے گئے ہوں کہ اس سے محتملات میں سے رائج کو بیان کیا گیا ہو۔ بعض مواقع میں عام کو خاص اور بعض مواقع میں مطلق کو مقید کیا گیا ہو اور اس سے احکام کی علت بیان کی گئی ہو۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں تو ان پر اعتماد صحیح نہ ہوگا۔ اور اس زمانہ میں کوئی مذہب (اہل سنت و جماعت کے) مذاہب اربعہ کے علاوہ اس صفت کے ساتھ متصف نہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سواد اعظم (بڑی جماعت) کا اتباع کرو اور جب تمام مذاہب فقہ مذاہب اربعہ کے علاوہ ختم ہو گئے تو اب مذاہب اربعہ کا اتباع ہی سواد اعظم کا اتباع ہوگی اور ان سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا ہوگا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ زمانہ دراز گزر جانے اور امانت داری ضائع ہوتے جانے کی وجہ سے علماء اسوہ پر اعتماد کرنے کا کوئی راستہ نہیں رہا۔ یہ لوگ ان حضرات کی طرف غلط باتیں منسوب کر سکتے ہیں جن کا صدق اور امانت داری مشہور ہے اور یہ وسائل جو کہ قابل اعتماد نہیں ہیں اس لئے ان کی روایات قبول نہیں کیا جاسکتی ہیں۔ رہا مسئلہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کا، سوان کی پابندی اس لئے ضروری ہے کہ ان کے مذاہب مدون ہیں اور ان کی کتابیں قابل قبول اور معتبر ہیں۔ اس وجہ سے ان کی طرف غلط باتیں منسوب نہیں ہو سکتی ہیں۔ (عقدا الجید ص ۱۳)

مفتی محمد شفیع صاحب جواہر الفقہ ص ۱۳۱ اس سوال کے جواب میں کہ

تقلید صرف ائمہ اربعہ ہی کی کیوں کی جاتی ہے، کیا کوئی دوسرا امام اس درجہ کا نہیں ہوا جس کی تقلید کی جائے اور کیا ائمہ اربعہ کی تقلید کا حکم کسی نص میں وارد ہوا؟ تحریر فرمایا ہے کہ ائمہ اربعہ پر سلسلہ تقلید ختم ہونا کوئی امر عقلی یا شرعی نہیں بلکہ محض اتفاقی ہے کہ مشیت خداوندی سے ان چار مذاہب کے سوا اور جتنے مذاہب تھے مندرس ہو گئے اور مٹ کر کائن لم یکن ہو گئے۔ دو چار دس بیس یا پچاس سو اقوال و احکام اگر آج ان کے منقول اور موجود بھی ہوں وہ کوئی مستقل مذہب نہیں بن سکتا کہ لوگ اس کی تقلید کیا کریں۔ کیونکہ اگر ان سو پچاس احکام میں ان کی تقلید کر بھی لو تو باقی ہزاروں مسائل میں کیا کریں گے۔ اب جب کہ دیکھا گیا کہ کل مذاہب سولے ان چار مذاہبوں کے مندرس ہو گئے تو ان چار سلسلہ تقلید ان ہی میں منحصر ہو گیا۔ چنانچہ ابن خلدون اپنے مقدمہ تاریخ میں ظاہر یہ کے مذہب پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ثم درس مذهب اهل الظاهر اليوم بدروس ائمة
وانكار الجمهور على من تحليه ولم يبق الا في
الكتب المجلدة.

مفتی صاحب نے صرف عربی عبارت لکھی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے :-
”پھر اہل ظاہر کا مذہب اس زمانہ میں مٹ گیا ان کے ائمہ کے ختم ہوجانے کی وجہ سے اور جمہور کے ان کے مقلدین پر انکار کرنے کی وجہ سے اور صرف کتابوں ہی میں اس کا وجود رہ گیا۔“

اور اسی میں یہ بھی مصرح ہے :-

ووقف التقليد في الامصار عند هؤلاء الاربعة و

درس المقلدون بمن سواهم الخ.

یعنی ”تمام علاقوں میں ان ہی ائمہ اربعہ کی تقلید برقرار رہی۔ اور دوسرے ائمہ مجتہدین کی تقلید کرنے والے سب ختم ہو گئے اور اسی پر سب متفق ہو گئے۔ ہمیں کوئی اختلاف نہیں رہا۔ اور جب علوم میں مختلف اصطلاحات کی کثرت ہوئی اور مرتبہ اجتہاد تک پہنچنا (عدم وجود شرط کی وجہ سے) مشکل ہو گیا اور جب اجتہاد کے غیر مستحق کی طرف منسوب ہونے کا خوف ہوا۔ اور ایسے لوگوں کی طرف جن کے دین اور جن کے رائے پر اعتماد نہ کیا جاسکے تو علمائے عجمین الاجتہاد کی تصریح کر دی اور لوگوں کو ائمہ اربعہ میں سے کسی خاص ایک کی تقلید کا پابند کر دیا اور دو اماموں کی بیک وقت تقلید سے منع کر دیا کہ یہ تلاعب اور تلفیق ہے اور غیر متبوع ائمہ کے مسائل کی صرف کتابوں میں نقل ہی رہ گئی ان کی فقہ کی اپنی کتابیں مستقل طور پر مدون نہیں اور ہر مقلد نے اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنا تصحیح اصول اور اتصال سند کے بعد شروع کر دیا اور فقہ کا حاصل اس زمانہ میں سولے اس کے یعنی اپنے امام کی تقلید کے اور کچھ نہیں رہا اور اب اس زمانہ میں اجتہاد کے مدعی کا دعویٰ ناقابل تسلیم ہے اور اس کی تقلید مجبور و متروک“ اور اہل اسلام اس زمانہ میں ائمہ اربعہ کی تقلید پر متفق ہو گئے۔

اور شیخ ابن ہمام فتح القدر میں فرماتے ہیں:

انفقد الاجتماع على عدم العمل بالماذاهب المتخالفة
للائمة الاربعة.

(ائمہ اربعہ کے علاوہ مذاہب پر عمل نہ کرنے پر اجماع منعقد ہو گیا)

اور علامہ ابن حجر مکی فتح المبین شرح الاربعین میں فرماتے ہیں :-

تقلید

جب اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا اور مذاہب ائمہ اربعہ کے مذاہب میں منحصر ہو گئے تو ان کی تقلید ضروری ہو گئی۔ جو لوگ تقلید کو شرک کہتے ہیں وہ لوگ تقلید کی حقیقت سے واقف نہیں، تقلید نعوذ باللہ، خدا نخواستہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مقابلہ میں کوئی جدا گانہ چیز نہیں ہے بلکہ ائمہ مجتہدین نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ و آثار صحابہ سے جو مسائل استنباط کئے ان کو تسلیم کر لینا ہی تقلید ہے۔ کیونکہ تقلید کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ فروعی مسائل فقہیہ میں غیر مجتہد کا مجتہد کے قول کو تسلیم کر لینا اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا اس اعتماد پر کہ اس مجتہد کے پاس دلیل ہے۔ ابو داؤد شریف میں حضرت جابرؓ سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ ایک سفر میں نکلے۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک آدمی کو پتھر آکر لگا جس سے ان کا سر زخمی ہو گیا۔ اور اس کے بعد ان کو غسل کی ضرورت پیش آئی انہوں نے اپنے رفیقار (صحابہ کرامؓ) سے پوچھا کیا میرے لئے شرعاً یتیم کی اجازت ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یتیم کی اجازت نہیں کیونکہ پانی موجود ہے۔ اس پر انہوں نے غسل کر لیا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ واپسی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتلوا قتلہم اللہ۔ یعنی ان ہی لوگوں نے اس کو مارا خدا ان کو بھی موت دے (بیان القرآن) جب ان کو مسئلہ معلوم نہ تھا تو انہوں نے کسی (عالم) سے کیوں نہ پوچھا۔ کیونکہ حاضر کی سفارش سوال میں ہے۔

ان حضرات نے قَلَّوْا تَجِدُوا مَاءً کے ظاہر لفظ کے عموم کو دیکھتے ہوئے

اما فی زماننا فقال ائمتنا لا يجوز تقلید غیر الاثمة الاربعہ

الشافعی و مالک و ابی حنیفہ و احمد بن حنبل۔

(اور ہمارے زمانہ میں تو ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ امام شافعی

امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل کے علاوہ کسی کی تقلید

جائز نہیں)

اب کسی کا اس پر یہ دلیل طلب کرنا کہ تقلید چار میں کیوں منحصر ہو گئی محض بے محل ہے اور بالکل ایسا ہے کہ ایک شخص کی اولاد کثیر ہو لیکن وہ مرتے رہیں۔ یہاں تک کہ جب باپ کا انتقال ہو تو چار بیٹوں کے سوا اور کوئی باقی نہ رہے۔ اب ظاہر ہے کہ تقسیم میراث ان ہی چاروں میں منحصر ہوگی حالانکہ اولاد ان کے سوا اور بھی تھی۔ لیکن آپ نے کسی کو یہ کہتے نہ سنا ہو گا کہ میراث ان ہی چار میں کیوں منحصر ہو گئی اور جو کوئی کہے تو اس کا جواب اور کیا ہو سکتا ہے کہ مشیت ایزدی یہی تھی۔

ملا جیون صاحب نے تفسیر احمدی میں لکھا ہے :-

والانصاف ان اخصار المذاہب فی الاربع فضل الہی

وقبولیۃ من عند اللہ تعالیٰ لا مجال فیہا للتوجیہات

والدلیلۃ۔

(انصاف یہ ہے کہ مذاہب کا چار میں اخصار محض فضل اور

قبولیت من عند اللہ ہے۔ اس میں دلائل اور توجیہات کی کوئی

گنجائش نہیں۔ جواہر الفقہ)

اسی پر فتوے دیدیا۔ حالانکہ اجتہاد اور فتوے کے لئے بڑی شرائط تھیں جو پہلے گذریں۔
اسی واسطے شیخ الاسلام وحافظ ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ میں فرمایا ہے کہ جمہور
امت کا مذہب یہ ہے کہ اجتہاد بھی جائز ہے اور تقلید بھی جائز ہے۔ اجتہاد اس کیلئے
جو اس پر قادر ہو اور تقلید اس کیلئے جو اجتہاد سے عاجز ہو۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کیلئے کسی معین امام کے مذہب کا اتباع اُس
وقت جائز ہے جبکہ وہ اس مذہب کے علاوہ دوسرے ذریعہ سے شریعت کا امر حاصل
نہ کر سکتا ہو۔ لیکن اگر دوسرے ذریعہ سے معرفت شریعت ممکن ہو تو اس متیقن مذہب کا
اتباع اُس پر واجب نہیں ہے۔ ص ۲۰۲

علامہ ابو الولید باجی مالکی شاح موطا اپنی کتاب الحدود فی الاصول صفحہ ۱۱۰
میں تحریر فرماتے ہیں کہ تقلید یہ ہے کہ جس کی تقلید کی جائے اُس کے قول کو بلا دلیل مان لے
چلے اُس کو دلیل بھی معلوم ہو جائے۔ یہ اُس شخص کے حق میں فرض ہے جو اجتہاد کی صلاحیت
نہ رکھتا ہو۔

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اپنے ایک مکتوب میں حکم مفتی محمد شفیع صاحب
مفتی اعظم پاکستانؒ نے اپنی کتاب جو اہل الفتنہ میں نقل کیا ہے، لکھتے ہیں :-
تو لکم تقلید شخصی کو واجب سمجھنا بدعت سیئہ ہے۔ اقول آپ کے نزدیک تقلید
شخصی مباح ہے۔ چنانچہ آپ اوپر مقرر ہوئے ہو مگر مباح ہونے کے آپ معنی نہیں سمجھے
کہ کیا ہے۔ سنو تو سہی مہ نے تو منقول اور منقول دونوں کو دھو دیا ہے نفس تقلید
اعنی تقلید مطلق تو فرض لقولہ تعالیٰ "فاستلوا" الآیۃ اور حدیث انما شفاء الرعی
السوال۔ اور خود بدیہی بھی کہ دین برون سیکھے نہیں آتا۔ عقل اور حس کو اس میں دخل
ہی نہیں۔ پس مطلق تقلید تو فرض ہے (یعنی جس میں اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو) یقین

ہے کہ آپ بھی قبول کر لیں گے ورنہ اثبات اس کا کر دیا جائے گا۔ اور اس کے دو فرد
ہو دیں گے۔ تقلید شخصی اور تقلید غیر شخصی، کیونکہ دونوں حصے ایک جنس کے ہیں، خواہ
اس کو جنس اور دو نوع کو یا مطلق اور دو فرد مقید کو، خواہ کلی اور دو جزئی کو،
جس طرح چاہو مقرر کرو۔

بہر حال ہر دو نوع تقلید تحت تقلید مطلق کے ہو دیں گی جو فرض ہے۔ بھلا
آپ سے پوچھتا ہوں کہ فرض کے نوع یا فرد مباح کس طرح ہوئے۔ مرد خدا! فرض
اور مباح تو مبائن دو نوع ہیں کہ تحت جنس حکم کے ہیں، پھر ایک نوع مبائن دوسری
نوع کی فرد کس طرح ہو گئی ذرا تو سوچو تقلید مطلق تو فرض اور شخصی مباح اور حالانکہ
یہ فرد ہے تقلید فرض کی، پس تمام آپ کا خدا شدہ اس ہی خطا فہم پر مبنی ہے۔ پس
ہوش کرو کہ تقلید ہر دو قسم فرض ہے کوئی مباح نہیں، مگر چونکہ اعتنا امر تقلید میں
تخییر ہے کہ جس فرد کو چاہو ادا کرو دوسرے کی ضرورت نہیں، اور جو دونوں کر لو گے
تو عاصی ہو گئے۔ اس تخییر کو مباح کہہ دیا ہے مجازاً نہ یہ کہ خود شخصی بذاتہ مباح ہے۔ اکی
ایسی مثال ہے کہ کفارہ میں حلف کے مثلاً نفس کفارہ فرض ہے اور اطعام اور کرمہ
اور رقبہ میں تخییر، جس کو ادا کر دیا مطلق کفارہ سے برأت ہو گئی اور جو کسی کو نہ کیا
عاصی رہا۔۔۔۔۔۔ یہی حال جملہ کلیات کا ہے کہ مطلق شرعی فرض ہوتا ہے اور مباح
کہنا اس کا باعتبار اباحت اختیار کسی فرد کے ہے۔ نہ مباح مقابل فرض کہ آپ نے
شبہ فرض ہو جانے مباح کا بے موقع کیا۔ ورنہ اگر یہی شبہ ہے تو شخصی والے اس ہی آپ
کی تقریر سے غیر شخصی کو بدعت سیئہ کہہ دیں گے۔ کیونکہ غیر شخصی کس طرح فرض ہوتی
ہے وہ بھی تو مباح بہ ہمیں معنی ہے جو مذکور ہوا۔ طویل خط ہے اور قابل دید۔
اور حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہ کے مکتوب سے نقل کیا ہے۔ تقلید کی بات

مُسْنَد۔ لاریب دین اسلام ایک ہے اور چاروں مذہب حق، مگر جیسے فن طبابت یونانی یا ڈاکٹری، انگریزی ایک ہے اور سائے طبیب کا مل قابل علاج اور ہر ایک ڈاکٹر قابل معالجہ ہے۔ اور پھر وقت اختلاف تشخیص اطباء یا مخالف رائے ڈاکٹران جس طبیب کا علاج یا جس ڈاکٹر کا معالجہ کیا جاتا ہے ہر بات میں اسی کا کہنا کیا جاتا ہے، دوسرے طبیب کی یا دوسرے ڈاکٹر کی رائے نہیں مانی جاتی۔ ایسے ہی وقت اختلاف ائمہ جس مجتہد کا اتباع کیا جائے ہر بات میں اسی کی تابعداری ضروری ہے۔ ہاں جیسے کبھی ایک طبیب یا ڈاکٹر کا علاج چھوڑ کر دوسرے کی طرف رجوع کر لیتے ہیں اور پھر بعد رجوع ہر بات میں دوسرے کا اتباع مثل اول کیا جاتا ہے، ایسے ہی کبھی کبھی بعض بزرگوں نے زمانہ سابق میں کسی وجہ سے ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا اختیار کر لیا تھا، اور بعد تبدیل مذہب دوسرے ہی کا اتباع کیا۔ یہ نہیں کیا کہ ایک بات ان کی لی اور ایک بات اُن کی لی اور تدریس سے ایک مذہبی کا پانچواں انداز گھڑ لیا۔ امام طحاوی جو بڑے محدث اور فقیہ ہیں پہلے شافعی تھے پھر حنفی ہو گئے تھے۔ باوجود بے تقلید کام نہیں چلتا یہی وجہ ہوئی کہ کروڑوں عالم اور محدث گذر گئے پر مقلد ہی رہے۔ امام ترمذی کو دیکھئے کتنے بڑے عالم، فقیہ اور محدث تھے۔ ترمذی شریف ان ہی کی تصنیف ہے، باوجود اس کمال کے مقلد ہی تھے اعتباراً نہ تو ترمذی شریف کو دیکھ لیجئے، جب ایسے ایسے عالم اس کمال پر مقلد ہی رہے۔ امام شافعی کی تقلید امام ترمذی نے کی اور امام طحاوی اور امام محمد اور امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ کی تقلید کی ہو پھر آج ایسا کونسا عالم ہو سکا جس کے ذرّہ تقلید ضروری نہ ہو۔ اگر کسی بڑے عالم نے اماموں کی تقلید نہ کی ہو تو کیا ہوا۔ انساؤل تو کروڑوں کے مقابلہ میں ایک دو کی کون مستحق ہے۔ ہاں مقلد

ہے پوچھو گے یہی کہیگا کہ جس طرف ایک جہان کا جہان ہو وہی بات ٹھیک ہوگی۔ بالیہ یہ کہ کوئی عقل کی بات ہے کہ اس بات میں عالموں کی جال ہم اختیار کریں۔ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی مریض جاہل کسی طبیب کو مرض کے وقت دیکھے کہ اپنا علاج آپ کرنا ہے اور دوسرے طبیب سے نہیں پوچھتا یہ دیکھ کر یہ بھی ہی انداز اختیار کرے کہ اپنا علاج آپ کرنے لگے اور طبیبوں سے کام نہ رکھے تو تم ہی کہو ایسے آدمی عاقل کہلائیے یا بے وقوف۔ سو ایسے ہی کسی عالم کو غیر مقلد دیکھ کر جاہل اگر تقلید چھوڑ دیں تو یوں کہو علم تو تھا یا نہ تھا عقل دین بھی دشمنوں ہی کو نصیب ہوئی اور جاہلوں کو جانے دیجئے آج کل کے عالم فقیہ جاننے مکمل نہیں تو اکثر جاہل ہی ہیں۔ بلکہ بعض عالم تو جاہلوں سے زیادہ جاہل ہیں۔ دو کتا میں اردو کی بغل میں دبا کر وعظ کہتے پھرتے ہیں اور علم کے نام خاک بھی نہیں جانتے۔ کم سے کم علم اتنا ہو کہ ہر علم کی ہر ایک کتاب طالب علم کو پڑھا سکے“ (جواہر الفقہ ص ۱۳۵)

مکاتیب شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ میں مولوی ابواللیث سابق امیر جماعت اسلامی ہند کے خطوط کے جواب میں ایک بہت طویل خط لکھا ہے اس میں جلد دوم ص ۲۱۹ پر تحریر فرمایا ہے:-

”مولانا محمد حسین صاحب مرحوم بنا لوی جو کہ غیر مقلدوں کے نہایت جوشیلے امام تھے اور عدم تقلید کے زوردار حامی اور ہندوستان میں اس کے پھیلانے والے تھے اپنے رسالہ اشاعت السنہ جلد دوم ص ۲، ص ۵۱، ص ۵۲، ص ۵۳ میں لکھتے ہیں:

”بجائش برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے عملی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلید مطلق کے تارک بن جاتے ہیں

وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھے ہیں، ان میں سے بعض عیسائی ہو جا رہے ہیں اور بعض لاد مذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے تنقید و خروج تو آزادی کا ادنیٰ فیجہر ان فاسقوں میں بعض تو کھلم کھلا جمعہ، جماعت، نماز، روزہ چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بڑے دشرابے پر سبز نہیں کرتے اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی سے فسق و فہاری سے بچتے ہیں۔ وہ فسق مخفی میں سرگرم رہتے ہیں، ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں، ناجائز حیلوں سے لوگوں کے مال، خدا کے مال و حقوق کو دبا رکھتے ہیں۔ کفر و ارتداد و فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں۔ مگر دینداروں کے بے دین ہوجانے کیلئے بے علی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے انتہی مختصراً

حضرت شیخ الاسلامؒ نے جو مولوی محمد حسین صاحب کا واقعہ لکھا یہ تو ان کے بڑے تجربات کے بعد کا ہے۔ سوانح قاضی محمدؒ پر ان ہی کا ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بناوٹی نے حضرت نافوٹی کو ایک خط لکھا کہ مجھے تنہائی میں آپ سے بعض مسائل میں گفتگو کرنی ہے مگر شرط یہ ہے کہ آپ کا کوئی شاگرد بھی وہاں موجود نہ ہو۔ حضرت نے منظور فرما کر جواب تحریر فرمایا کہ تشریف لے آئیں چنانچہ مولانا موصوف حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے..... حجرہ بند کر دیا گیا دونوں میں گفتگو ہونے لگی۔ حضرت والا نے مولانا سے فرمایا کہ دیکھئے جس مسئلہ میں بھی گفتگو فرمائی ہو اُس میں دو باتوں کا خیال رکھیے۔ ایک یہ کہ مسئلہ زیر بحث میں حنفیہ کا مذہب بیان فرمانا آپ کا کام ہو گا اور دلائل بیان کرنا میرا

کام ہو گا۔ دوسرے یہ کہ میں مقلد امام ابوحنیفہؒ کا ہوں۔ اس لئے میرے مقابلہ میں آپ جو قول بھی بطور معارضہ پیش کریں وہ امام ہی کا ہونا چاہیے۔ یہ بات مجھ پر حجت نہ ہوگی کہ شامی نے یہ لکھا ہے اور صاحب درمختار نے یہ فرمایا ہے۔ میں ان کا مقلد نہیں چنانچہ فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہ بہت سے مختلف فیہ مسائل زیر گفتگو آئے اور حسب شرائط طے شدہ مولانا محمد حسین صاحب مذہب احناف بیان فرماتے اور حضرت والا دلائل سے اسے ثابت کرتے، حضرت کی تقریروں کے درمیان مولانا محمد حسین صاحب جھوم جھوم جاتے اور بعض اوقات توجوش میں سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے کہتے کھڑے ہونے کے قریب ہوجاتے۔ جب گفتگو ختم ہو چکی تو مولوی محمد حسین صاحب کی زبان سے بیانتہ یہ فقرہ نکلا کہ مجھے تعجب ہے کہ آپ جیسا شخص اور مقلد ہو! یعنی بایں زور علم فراست و قوت استنباط تقلید کے کیا معنی۔ اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا ”اور مجھے تعجب ہے کہ آپ جیسا شخص اور غیر مقلد ہو“ فقط مختصراً۔

میں نے یہ قصہ بعض اکابر سے بھی سنا۔ اس میں یہ سنا تھا کہ حضرت نافوٹیؒ نے اخیر میں یہ فرمایا تھا کہ تقلید کے ضروری ہونے کیلئے آپ کے قول کے موافق جو میرے متعلق آپ نے فرمایا یہی کافی ہے کہ میں مقلد ہوں۔ میرے ایک فقیہ درس جو مظاہر علوم سے فارغ ہو کر مظاہر علوم کے کتب خانہ میں ملازم بھی ہو گئے تھے، مگر قلت تنخواہ کی وجہ سے اس زمانہ میں مظاہر میں تنخواہیں بہت کم تھیں ترک ملازمت کر کے علی گڑھ میں جا کر ایک ڈاکٹر صاحب کے یہاں ملازم ہو گئے جو اہل حدیث تھے جانے کے تیسرے چوتھے دن اُن کا میرے پاس خط آیا جس میں اپنی راحت و آرام کی بہت تفصیل لکھی تھی کہ تنخواہ بھی بہت معقول ہے۔ ڈاکٹر صاحب

کھانا بھی اپنے ساتھ ہی کھلاتے ہیں اور بہت زیادہ محبت کرتے ہیں مگر میں
 یہاں اگر ایک سخت مشکل میں پھنس گیا وہ یہ کہ وہ رفع یدین بعد الرکوع کے بعد
 اسی حال میں کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں، انھیں تو اس کی عادت
 ہے، اور میں جب اس طرح سجدہ کرتا ہوں تو گر پڑتا ہوں اور جب میں ان کی کمتا
 ہوں کہ مولانا ندیم حسین صاحب، مولانا ثناء اللہ صاحب کے فتاویٰ میں رفع یدین
 کے بعد ہاتھوں کا گرانا لکھا ہے تو وہ بہت زور سے کہتے ہیں کہ ہم مولوی ندیم
 اور مولوی ثناء اللہ کے متقلد تھوڑے ہی ہیں، اگر تقلید کرتے تو ابو حنیفہ کی کیوں نہ
 کرتے جو ان لوگوں سے علم میں عمل میں اور تقویٰ میں بہت زیادہ بڑھے ہوئے
 ہیں۔ ہمیں تو کوئی حدیث دکھلاؤ، جتنا جلد ہو رکوع کے بعد کے رفع یدین کے
 بعد ہاتھ گرنے کی کوئی حدیث لکھو، میں بہت پریشانی میں ہوں۔

اس زمانہ میں حدیث کا سبق میرے یہاں مستقل ہوتا تھا۔ اس وقت
 تو نہ وہ خط میرے سامنے ہے اور نہ پورا مضمون یاد ہے۔ اتنا یاد ہے کہ ابو حمید
 ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایتیں متعدد میں نے نقل کی تھیں جس میں قومہ
 کے درمیان بخاری میں فاذا رفع رأسہ استوی حتی یعود کل فقار
 مکانہ ہے۔ یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں۔

⋮

تقلید امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

ہندوپاک میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب زیادہ رائج ہے
 جس کی اہل وجہ تویہ ہے کہ ہندوستان کے اول فاضلین حنفی المذہب تھے ان کی وجہ
 سے یہاں اسلام کے ساتھ ساتھ مذہب حنفیہ بھی پہنچا۔

اس کے علاوہ حنفی مذہب کی وجہ ترجیح اور بھی بہت سی پیدا ہو گئیں جن کو یہ
 ناکارہ اپنی کتاب اوجز المسالک کے مقدمہ میں بہت تفصیل سے لکھ چکا ہے۔ مجملہ
 ان کے حضرت امام اعظم کا زمانہ بقیۃ ائمہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
 سے سب سے زیادہ قریب ہے جیسا کہ میرے سابقہ مضمون میں جہاں ائمہ اربعہ اور
 محدثین کے زمانے لکھے گئے ہیں تفصیل سے گزر چکا کہ حضرت امام ابو حنیفہ کی ولادت
 ۸۰ھ میں ہوئی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ہی کی صدی میں ہوئی۔
 بخاری شریف میں ثلاثیات بخاری کو بہت اہمیت ہے مستقل کتابیں ثلاثیات
 کے بارے میں لکھی گئی ہیں۔ ثلاثی وہ حدیث کہلاتی ہے جس میں محدث اور حضور اقدس
 صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تین راوی ہوں۔ ایک مصنف کا استاد، دوسرا تابعی
 تیسرا صحابی۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ حنفیہ کے قول کے موافق تو تابعی روایت
 بھی ہیں اور اس کے بعد ایک درجہ صحابہ کا رہ جاتا ہے والصحابة کلہم
 عدول۔ اور جو لوگ امام ابو حنیفہ کو تبع تابعی قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک
 فقہ حنفی ثنائی ہے۔ ایک صحابی وہم کلہم عدول دوسرا تابعی کہ امام ابو حنیفہ
 کے استاد تابعی ہیں درہمخص اپنے استاد کے حال سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قف

ہے۔ اس لئے حنفیہ کی روایات پر ضعف کا الزام لگانا فحش سے ناواقفیت ہے۔ جن روایات میں تیسرے چوتھے درجہ میں کوئی راوی ضعیف آگیا ہو اُس کا الزام حنفیہ کی روایات پر نہیں لگ سکتا۔ اسی وجہ سے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ ص ۱۳۹ میں فرمایا ہے کہ جو ائمہ ان کتب احادیث مدونہ سے پہلے تھے وہ سنت کو متاخرین سے زیادہ جاننے والے تھے، اس لئے کہ بہت سی احادیث جو اُن کو پہنچیں اور اُن کے نزدیک صحیح تھیں وہ ہم تک بسا اوقات کسی بھول کے واسطے سے یا سند منقطع سے پہنچی ہیں یا ہم تک پہنچی ہی نہیں، تو اس زمانہ میں ان کے سینے ہی اُن کے علوم کے خزانے تھے جن میں کتب مدونہ سے بھی زیادہ احادیث تھیں۔

نیز یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے بائیس احادیث ثلاثیات لکھی ہیں، ان میں سے بیس احادیث امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں یا شاگردوں کے شاگردوں سے ہیں۔ گیارہ حدیثیں مکہ بن ابراہیم سے ہیں وہ امام ابو حنیفہؒ کے براہ راست شاگرد ہیں۔ چنانچہ ان کا یہ قصہ مشہور ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ ایک حدیث حدیث ابو حنیفہؒ سے شروع کی، مجمع میں سے کسی نے کہہ دیا کہ ہمیں ابو حنیفہؒ کی حدیث مت سنائے، اِن جرح کی حدیث سنائیے۔ تو انہوں نے کہا کہ میں بو تو قول کو حدیث نہیں سنا آ اور مجھے حرام ہے کہ میری روایت سے کوئی حدیث لکھے۔ اس کے بعد سبق بند کر دیا جب تک کہ وہ شخص درس سے نہیں نکال دیا گیا۔ اور چوتھ حدیث ابو عامر انہیل ضحاک ابن مخلد سے ہیں، یہ بھی امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ اور تین حدیثیں محمد بن عبد اللہ انصاری سے ہیں، یہ امام زفرؒ کے شاگرد ہیں اور امام ابو یوسفؒ کے بھی شاگرد ہیں۔ رہ گئے دو راوی، اُن کا مجھے پتہ نہیں چلا

کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سے ہیں یا نہیں۔
مقدمہ اوپر میں امام شافعیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے جن روایات سے اپنے مذہب کیلئے استدلال کیا ہے وہ تابعین میں سے فضل تابعین سے لی ہیں۔ اور ان میں سے کسی کو متمم بالکذب تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کے دلائل میں سے بعض چیزیں ضعیف بتائی جاتی ہیں تو یہ ضعف ان کے بعد کے راویوں میں پیدا ہوا۔ لہذا یہ ضعف ان روایات پر اثر انداز نہیں ہو سکتا جن سے امام نے استدلال کیا ہے۔

اوجز میں بہت تفصیلی کلام امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقہ کے بارے میں کیا گیا ہے۔ اس میں نویں فائدہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی بنا را امور ذیل پر ہے۔ اس میں ابن حجر شافعیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ اُس نے ضروری ہے کہ علماء کے اس قول کا جو امام ابو حنیفہؒ اور اُن کے اصحاب کے بارے میں ہے کہ وہ اصحاب الرائے ہیں کا مطلب یہ نہ سمجھنا کہ وہ اپنی رائے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر یا صحابہؓ کے اقوال پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ وہ اس سے بالکل بری ہیں۔ کیونکہ امام ابو حنیفہؒ سے مختلف طرق سے یہ ثابت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب اولاً قرآن کو لیتے ہیں، اگر قرآن میں نہ ملے تو سنت سے، اگر سنت میں بھی نہ ملے تو صحابہؓ کے قول سے۔ اگر صحابہؓ میں اختلاف ہو تو اُن میں سے اُس قول کو اختیار کرتے ہیں جو اقرب الی القرآن و سنت ہو۔ اور صحابہؓ کے اقوال سے باہر نہیں جاتے اور اگر صحابہؓ میں سے کسی کا کوئی قول نہ ملے تو تابعین کے اقوال کو نہیں لیتے بلکہ خود اجتہاد فرماتے ہیں جیسا کہ ان لوگوں نے اجتہاد کیا۔

امام عبد اللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی حدیث پہنچے تو سر آنکھوں پر۔ اور اگر صحابہ کے اقوال ملیں گے تو ان میں سے چُن لیں گے اور ان کے اقوال سے باہر نہیں جائیں گے۔ اور اگر تابعین کے اقوال ہوں تو مقابلہ کریں گے۔ اور امام صاحب سے یہ بھی مدی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رائے فتویٰ دیا، حالانکہ میں تو انہی سے فتویٰ دیتا ہوں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ کتاب اللہ کے ہوتے ہوئے اپنی رائے سے کچھ کہے، اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ احادیث کے ہوتے ہوئے اپنی رائے سے کچھ کہے، اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ کسی مسئلہ پر اجماع کے ہوتے ہوئے اپنی رائے سے کچھ کہے۔ البتہ حبیب صحابہ کا اختلاف ہو گیا اس میں سے ہم اقرب الی الکتاب السنۃ کو لیں گے۔

ایک شخص نے امام صاحب سے کہا کہ قیاس کو چھوڑو۔ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا۔ تو امام صاحب اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ او فلا نے تو نے بے موقع استدلال کیا۔ ابلیس نے اپنے قیاس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو رد کیا جسکی وجہ سے وہ کافر ہو گیا اور ہمارا قیاس تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے اتباع میں ہے اس واسطے کہ ہم اپنے قیاس کو اللہ کے کلام اور اس کے رسول کی سنت اور صحابہ و تابعین کے اقوال کی طرف تو لیتے ہیں۔ تو ہم تو اتباع ہی کے گرد پھرتے ہیں پھر ابلیس ملعون کے کیسے مساوی ہو گئے؟ اس پر اس شخص نے کہا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی میں تو بکر تا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کے قلب کو منور کرے جیسا کہ آپ نے میرے قلب کو منور فرمایا۔ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ حنفیہ پر جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ احادیث صحیحہ صریحہ کی مخالفت کرتے ہیں بغیر دلیل کے، تو اس کی اصل جبر ہے کہ متر ضیین نے ان کے قواعد اور اصول کا گرامر مطالعہ نہیں کیا۔ اس پر مفصل کلام کیا ہے جو اوپر کے مقدمہ میں ہے۔ انہوں نے یہ کہا کہ منجملہ ان کے اصولوں کے یہ ہے

کہ خبر واحد اگر اصول مجمع علیہا کی مخالف ہو تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ بھی کہ اگر راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کئے تو یہ اس کے نسخ کی دلیل ہے۔ اور اسی طرح عموم بلوی میں راوی کا منفرد ہونا۔ یا خبر واحد حدود کفارات میں وارد ہو کہ حدود شہر سے ساقط ہو جاتے ہیں اور یہ کہ سلف نے اس روایت پر طعن کیا ہو۔ اسی طرح صحابہ کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو مگر اس خبر واحد سے کہنے استدلال نہ کیا ہو یہ بھی نسخ کی دلیل ہے۔ اسی طرح خبر واحد عموم قرآن کے ظاہر کے خلاف ہو۔ کیونکہ قرآن قطعی ہے اور خبر واحد ظنی۔ اور اقوی الدلیلین کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اسی طرح خبر واحد کا سنت مشہورہ کے خلاف ہونا۔

ان قواعد سے امام ابو حنیفہ کی براءت ظاہر ہو گئی جو ان کی طرف ان کے اعداد اور ان لوگوں نے جو ان کے قواعد سے بلکہ مواقع اجتہاد ہی سے سرے سے ناواقف ہیں منسوب کر دیئے ہیں کہ امام صاحب نے خبر واحد کو بغیر دلیل کے چھوڑا ہے اور یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ امام صاحب نے کسی حدیث کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ اس سے اقوی دلیل ان کے پاس نہ ہو۔ علامہ ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ تمام حنفیہ کا اس پر اجماع ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث بھی ان کے یہاں رائے سے مقدم ہے۔

علامہ شعرانی نے نقل کیا ہے کہ شقیق بلخی نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ اپنے زمانہ میں سب لوگوں سے زیادہ متقی تھے اور سب زیادہ عالم تھے اور سب زیادہ عبادت گزار تھے اور سب زیادہ دین کے معاملہ میں محتاط تھے۔ اور سب سے زیادہ اس بات سے دور تھے کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں اپنی رائے سے کچھ کہیں اور کوئی مسئلہ اس وقت تک نقل نہیں کرتے تھے جب تک اپنے اصحاب کو اکٹھے کر کے ایک مجلس نہ قائم کرتے اور جب اصحاب اس پر متفق ہو جاتے کہ یہ

مسئلہ اصول و قواعد کے مطابق ہے تو امام ابو یوسفؒ وغیرہ سے فرماتے کہ اس کو
 فلاں باب میں لکھ لو۔ اور جہ میں مضمون مفصل گزرا ہے کہ امام صاحب کے پاس
 کوئی مسئلہ آیا تو اہل مجلس سے پوچھتے کہ اس مسئلہ کے بارے میں تمہارے پاس کیا
 روایتیں ہیں؟ تو جب وہ سب اپنی روایات بیان کرتے اور امام صاحب اپنی
 روایت ذکر کرتے تو جس طرف روایات کثرت سے ہوتیں اس کو اختیار فرماتے۔
 مقدمہ اور جہ میں امام ابو حنیفہؒ پر اعتراضات کے متعلق طویل کلام کیا گیا
 ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہ اصول کہ خبر واحد ظاہر قرآن کے خلاف نہ ہو، سنت مشہورہ
 کے خلاف نہ ہو۔ یہ دراصل حضرت عمرؓ کا قول فاطمہ بنت قیسؓ کے طلاق کے قصہ
 میں ہے کہ فاطمہ بنت قیسؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ انکو
 ان کے شوہر نے طلاق دیدی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے نہ نفقہ
 واجب کیا نہ سکنی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو
 ایک عورت کے کہنے کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں کہ اس کو یاد ہے یا
 بھول گئی، بعض روایات میں ہے کہ شاید اس کو وہم ہو گیا ہو۔ (بذل ص ۲۲۷)

اذا صح الحدیث فهو مذہبی

یہ ائمہ اربعہ کا مشہور منقولہ ہے جو مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے۔ لیکن
 حافظ نے فتح الباری میں باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین میں اس پر طویل
 بحث کرتے ہوئے ابن قیمؒ کا قول نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے اصول کا تقاضا
 تو یہ ہے کہ اس میں بدیع یدین مستحب ہو..... باقی یہ بات کہ امام شافعیؒ کا مذہب

عہ یعنی قعدہ اولی سے اٹھنے کے وقت ۱۲۔

ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ اذا صح الحدیث فهو مذہبی
 کہ جب کوئی حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے، تو اس میں اشکال ہے۔
 حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ وجہ اشکال یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے اس مقولہ پر
 عمل اس وقت ہوگا جب یہ محقق ہو جائے کہ امام شافعیؒ تک یہ حدیث نہیں پہنچی لیکن
 جب یہ معلوم ہو جائے کہ ان تک یہ حدیث پہنچی اور انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا یا اس
 میں کوئی تاویل کی تو اس وقت اس پر عمل نہیں ہوگا۔ حافظ ابن حجرؒ کا کلام صحیح ہے۔
 حضرت امام مالکؒ نے مؤطا میں ابن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ
 علیہ وسلم جب رکوع سے اٹھتے تھے تو رفع یدین کرتے تھے۔ اور مدونہ میں امام مالکؒ
 کا مقولہ مشہور ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین ضعیف
 ہے۔ نیز امام مالکؒ کا مقولہ ہے کہ میں رفع یدین تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی جگہ اٹھنے
 بیٹھنے میں نہیں پاتا، اور جہ میں یہ طویل بحث کی گئی ہے۔

بذل ص ۲۳۰ میں "باب السارق یسرق مراراً" میں متعدد روایات چور کو
 قتل کرنے کے بارے میں نقل کی گئی ہیں۔ اس کے بعد شیخ ابن قیمؒ سے نقل کیا گیا ہے
 کہ امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اس حدیث کو کیوں چھوڑا تو انہوں نے فرمایا کہ
 حضرت عثمانؓ کی حدیث کی بنا پر کہ مسلمان کو قتل کرنا صرف تین وجوہ سے جائز ہے
 اس میں چوری نہیں ہے۔ بذل میں اس پر طویل کلام ہے۔ مجھے تو صرف یہ ذکر کرنا
 ہے کہ قتل سارق کی روایات امام احمدؒ کے پاس پہنچیں مگر انہوں نے اس پر عمل
 نہیں کیا۔ پانی کے مسئلہ میں امام احمد بن حنبل کا مذہب قلتین کا ہے مگر بر
 بضاعہ کی حدیث کو امام احمدؒ نے صحیح بتایا ہے۔ جیسا کہ مغنی ص ۱۱ میں ہے لہذا
 حافظ کا یہ کہنا صحیح ہو گیا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے رسالہ رفع الملام میں کلام کے کسی حدیث کو چھوڑنے کی دس وجوہ لکھی ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ کہ امام کو حدیث پہنچی مگر ان کے نزدیک ثابت نہیں ہوئی، یا یہ کہ انہوں نے خبر واحد کیلئے کچھ مژدہ مقرر کیا جو اس حدیث میں نہیں پائی گئیں۔ نیز یہ کہ حدیث تو پہنچی مگر اس کے نزدیک دوسری حدیث اس کے معارض تھی جس وجہ سے اس حدیث کی تاویل وغیرہ کرنی لازم ہوئی۔ دس وجوہ لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ وجوہ تو ظاہر ہیں، اور بہت سی احادیث میں ممکن ہے کہ عالم کے نزدیک کوئی اور ایسی وجہ ہو جس کا ہمیں پتہ نہ چلا ہو اس لئے کہ علم کی گہرائیاں بہت کشادہ ہیں اور ہم نہیں واقف ہو سکتے تہمت سے ان رموز پر جو علماء کے سینہ میں پوشیدہ ہیں، اور عالم کبھی اپنی دلیل کو ظاہر کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا۔ اور جب ظاہر کرتا ہے تو کبھی ہم تک وہ پہنچتی ہے اور کبھی نہیں پہنچتی۔ اور اگر پہنچتی بھی ہے تو اس کے وجہ استدلال کو کبھی ہم ادراک کر پاتے ہیں اور کبھی نہیں کر پاتے وہ دلیل فی نفسہ خواہ صواب ہو خواہ خطا۔ اور یہ ہر اس شخص پر ظاہر ہے جو حدیث میں ممارست رکھتا ہو کہ ائمہ اربعہ کے پاس بہت سی ایسی صحیح و صریح حدیثیں پہنچیں لیکن بعض دلائل قویہ کی وجہ سے انہوں نے ان کو نہیں لیا۔ خود رفع یدین ہی میں بہت سی صحیح روایتیں ہیں۔ لیکن ائمہ اربعہ میں سے کسی نے ان کو نہیں لیا ہے نہ اکثر اہل حدیث نے۔ جس کی تفصیلی بحث اوجہ میں ہے۔

تنبیہ: ایک نہایت ضروری امر قابلِ تنبیہ یہ ہے کہ کسی مقلد کو اپنے امام کے خلاف دوسرے محدثین کے اقوال پر یا محدثین پر لب کشائی نہیں بلکہ دل میں بھی کوئی بے ادبی کا خیال نہیں گزرنا چاہیئے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے مستقل رسالہ رفع الملام عن الأئمة الاعلام تصنیف فرمایا ہے، جو بہت اہم

اور قابلِ دید ہے۔ یہ رسالہ مستقلاً بھی شائع ہو چکا اور فتاویٰ ابن تیمیہ کا جزو بھی ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی موالات کے بعد مومنین کی موالات کریں جیسا کہ قرآنی حکم ہے۔ خصوصاً علماء کی.... جو انبیاءؑ کے وارث ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بمنزلہ ستاروں کے بنایا جو جن سے ہر بکر کی اندھیریوں میں راستہ معلوم کیا جاتا ہے اور مسلمانوں نے ان کی ہدایت اور ان کی سمجھداری پر اجماع کیا ہے۔

مسلمانوں کے علماء ان میں سے پہلے ہیں اس لئے کہ وہ خلفاء رسولؐ ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب ان سے زندہ ہے اور وہ اس سے زندہ ہیں۔ اور یہ ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ ائمہ مقبولین عند اللہ میں سے کوئی ایسا نہیں جو دیدہ و دانستہ احادیث کی مخالفت کرتا ہو۔ اس لئے کہ وہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع واجب ہے اور ہر آدمی کے قول میں سے لیا جاسکتا ہے اور چھوڑا بھی جاسکتا ہے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کو نہیں پیڑھا جاسکتا۔ اور اگر ائمہ میں سے کسی کا کوئی قول حدیث صحیح کے خلاف ہو تو ضرور کوئی عذر اس کے پاس اس حدیث کو چھوڑنے میں ہوگا۔

اس کے بعد شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے تفصیل سے اس ترک حدیث کے دس اسباب لکھے ہیں، اور اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ تو اعذار ظاہرہ ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی وجوہ ہو سکتی ہیں جو ہم تک نہیں پہنچی ہیں۔ اس رسالہ میں خاص طور سے ائمہ متنبوعین پر طعن کرنے والوں پر رد کیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں اگر خطا کرے تو بھی اُس کو ایک اجر ملتا ہے اور خطا معاف ہے، اور اگر

اس کا اجتہاد صواب ہو تو دہرا جبر ہے۔ لیکن اگر اہل علم میں سے نہ ہو اور بھیجی اجتہاد کرے تو اُس کو گناہ ہوگا، جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کے بارے میں جس کا سر زخمی ہو گیا تھا اور بعض لوگوں نے تیمم کے بدلے غسل کا مشورہ دیا اور غسل کرنے کی وجہ سے اُن کا انتقال ہو گیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان ہی لوگوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی موت دے۔

نیز فتاویٰ ابن تیمیہ میں ایک مستقل مضمون اس سوال کے جواب میں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی ^{رحمۃ اللہ علیہ} افضل الاولیاء ہیں اور امام احمد بن حنبل ^{رحمۃ اللہ علیہ} افضل الثانی ہیں، بھی قابل مطالعہ ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جن کے نزدیک امام شافعی کی تقلید رائج ہے وہ اس پر نکیہ نہیں کر سکتا جس کے نزدیک امام مالک کی تقلید رائج ہے۔ اسی طرح جس کے نزدیک امام احمد کی تقلید رائج ہے اُس کیلئے جائز نہیں کہ وہ اس پر نکیہ کرے جو امام شافعی کا مقلد ہے۔

لہذا ضروری ہے کہ جب کوئی شخص تقلید کرے تو اس کا اہتمام کرے کہ جس امام کا قول اس کے نزدیک اولیٰ بالحق ہو اس کی تقلید کرے اور اگر خود مجتہد ہے تو اجتہاد کرے اور جو اس کے اجتہاد میں حق ہو اس کا اتباع کرے لیکن یہ ضروری ہے کہ خواہشات نفس کا اتباع نہ کرے اور بغیر علم کے کلام نہ کرے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو لوگ یہ گمان کیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ ^{رحمۃ اللہ علیہ} یا دوسرے ائمہ عہدِ حدیث صحیح کی مخالفت قیاس سے کرتے ہیں اس نے ان ائمہ پر زیادتی کی اور یہ اس کا محض گمان ہے یا ہوائے نفس ہے۔ امام ابوحنیفہ ^{رحمۃ اللہ علیہ} ہی کو لے لیجئے کہ انہوں نے بہت سی احادیث کی وجہ سے قیاس کی

مخالفت کی، اور اس کے بعد چند مثالیں لکھی ہیں۔ جس کی وجہ سے انہوں نے ان احادیث کی وجہ سے جو ان کے نزدیک صحیح تھیں قیاس کو چھوڑ دیا۔

تذکرۃ الرشید میں حضرت قطب الارشاد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی تدریس حدیث کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی نے لکھا ہے کہ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حنفی مذہب کے خاص محبت ہے اور اس کی حقانیت پر اطمینان ہے اس کے ساتھ ہی ترجیح مذہب کے وقت یہ ممکن نہ تھا کہ دوسرے مذہب کی توہین یا صاحبِ مذہب کی اہانت ہو، اور اگر کسی طالب علم کا میلان اس جانب دیکھتے تو قولا و عملا اس کی اصلاح فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ نفس تقلید میں بھی تعصب کا حد سے بڑھنا آپ کو پسند نہ تھا۔ بعض طلباء تشدد و عصبیت میں محدثین سے بظن ہو جاتے تو حضرت امام ربانی ^{رحمۃ اللہ علیہ} فرماتے کہ کلام کا دھنگ بدل دیا کرتے تھے جس وقت کسی طالب علم کی زبان سے کسی محدث پر اعتراض یا تنقیص نہ آتا تھا کلمہ سنتے تو چہرے پر کراہیت کا اثر پیدا ہوتا اور دورانِ سبق میں بجائے ترجیح مذہب حنفیہ مذاہب دیگر مثل امام بخاری وغیرہ کی وجہ ترجیح بھی بیان فرمانے لگتے تھے تاکہ طلباء کو محدثین کے ساتھ حسن ظن پیدا ہو جائے (تذکرۃ الرشید ص ۱۱۱)

آپ مئی ص ۲۴ میں حضرت حکیم الامت کے اضافات یومیہ ص ۲۳۹ سے ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک مولوی صاحب نے حضرت گنگوہی کی ایک تقریر سُن کر جوش میں آکر کہا کہ آپ کے پاس آکر تو حدیث بھی سنائی ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ آپ تو ہر حدیث سے حنفیہ کی تائید فرماتے ہیں اور حضرت امام شافعی ^{رحمۃ اللہ علیہ} بھی اس وقت زندہ ہوتے تو اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ یہ کیا کہا، اگر حضرت امام شافعی ^{رحمۃ اللہ علیہ} زندہ ہوتے تو کیا میں اُن کے

سامنے بولتا، اور بولتا تو کیا میں تو اُن کی تقلید کرتا اور امام ابوحنیفہ کی تقلید نہ کر چھوڑ دیتا کیونکہ مجتہد ہی کے ہوتے مناسب نہیں ہے کہ مجتہد غیر مجتہد کی تقلید کی جائے۔ لفظ اس ناکارہ کو اس جواب میں اتنا لفظ اور بھی اکابر سے سنا ہوا یا دہے کہ حضرت نے فرمایا کہ حضرت امام شافعی کے ہوتے ہوئے میری یہ تقریر ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا اور حضرت امام اسحاق کا جواب لیتے۔

اس ناکارہ کے زمانہ تدریس مظاہر علوم میں عموماً بدھ کے دن اسباق کی رسم اللہ ہوا کرتی تھی اور یہ ناکارہ بدھ کو بسم اللہ شروع کر کے اگلے بدھ تک مقدمۃ العلم مقدمۃ الکتاب اور تفرقات کے بعد آخری بحث آداب طالب بیان کیا کرتا تھا جس میں دس باتیں بہت اہمیت سے بیان کرتا۔ اس وقت میں جوانی تھی اور الشباب شعبۃ من الجنون قوت بھی تھی، بہت بھی تھی، شروع سال میں یہ دس چیزیں طلباء کے سامنے بہت اہمیت سے بیان کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی پر بجائے زبان کے چپکے سے اُٹھ کر ایک تھپڑ مار کر آیا کرتا تھا۔ جو طلباء شروع سے سبق میں ہوتے انھیں تو معلوم تھا کہ یہ کام بڑا ہو، لیکن جو همان باہر سے آتے، یا دوسرے مدارس کے طلباء جو اکثر سبق میں آتے رہتے تھے یہ منظر دیکھ کر کہ ایک تھپڑ ایک طالب علم کو مارا اور اپنی جگہ کر بیٹھ گیا، نہ کچھ کننا نہ سننا، حیرت میں پڑ جاتے اور بعد میں طلباء سے پوچھتے کہ یہ کیا ہوا وہ کہتے سبق میں سو گیا ہو گا یا کتاب پر کھنسی رکھ دی ہو گی۔ ان میں سے۔

(۱) اخلاص نیت (۲) درس کی پابندی۔ میرے اس زمانہ کے جیسٹر میں کئی کئی سال تک کسی طالب علم کے نام کے سامنے غین نہیں ملے گا۔ (۳) صف بندی ہے یعنی طلباء سبق میں صف بنا کر باادب بیٹھیں۔ (۴) درس میں نہ سونا (۵) کتاب پر ٹیک نہ لگائے۔ (۶) پابندی درس کوئی حدیث استاد کے سامنے نہ چھوٹے میرے

یہاں غیر جانبداری کرنا سنگین جرم تھا۔ (۷) میرا یہ بھی معمول تھا کہ حدیث میں کتاب الحدود وغیرہ میں فحش اور گالی کے الفاظ آجائیں تو میں اُن کا اردو میں ٹھیکٹا الفاظ میں ترجمہ کرتا۔ مگر شرط یہ تھی کہ اس پر کوئی طالب علم ہنسنے نہیں۔ اس کو نہیں اور وضاحت سے کہتا۔ اس لئے کہ میرے ذہن میں ہمیشہ یہ ہے کہ جیسا اردو میں ان کا ترجمہ ہے ویسے ہی عربی میں اُن کے الفاظ ہیں پھر میں اپنی ناپاک اور گندی زبان کو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے اونچا سمجھوں کہ ان کو تو اس لفظ کے بولنے سے تردد نہ ہوا اور میں اُس کو گالی سمجھ کر اردو میں اس کا ترجمہ بھی نہ کروں۔ مثلاً جب حدیث پاک میں انکھٹھا یا امصص بظہر اللات جیسے الفاظ آتے تو میں اپنے سبق میں ان کا صریح الفاظ میں ترجمہ کرتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی طلباء پر پابندی یہ تھی کہ ہنسی نہ لگے۔ (۸) ائمہ فقہ کے ساتھ نہایت ادب احترام کا معاملہ کیا جائے اور ان پر اعتراض نہ کرنا کیا جائے اور ان کی شان میں کوئی گستاخی کا لفظ نہ نکالے بلکہ دل میں بھی گستاخی کا خیال پیدا نہ ہو۔ بعض لوگ حنفیت کے زور میں دوسرے ائمہ پر اور بعض بے وقوف ائمہ حدیث پر تنقیدی فقرے کہتے ہیں یہ مجھے بہت ناگوار ہوتا تھا۔ (۹) اساتذہ کا ادب ظاہری ہی نہیں بلکہ قلبی بھی کرے ورنہ علم سے محرومی کا سبب بنے۔ ایسے ہی کتب حدیث کا بھی ادب کرے۔

(۱۰) ائمہ حدیث پر بھی کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔

یہ میں نے مختصر اگنوائے ہیں۔ عزیز شاہد سلمہ نے میری تقریر بخاری شائع کی ہے اس میں کسی قدر تفصیل ان کی ذکر کر رہے اور آپ بتی نے میں بھی اس سے زیادہ تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں۔ انہیں نمبروں میں ایک نمبر وضع قطع سے متعلق

یہ تو آپ نبی بن گئی مقصود تو اس چیز کو ذکر کرنا تھا کہ اس ناکارہ کے حدیث کے اسباق میں ہمیشہ زور اس بات پر رہتا تھا کہ ائمہ اربعہ یا ائمہ حدیث میں سے یا اساتذہ کرام میں سے کسی کی اہانت سنگین جرم ہے۔

بھی ہوا کرتا تھا، چنانچہ ڈاڑھی کے مسئلہ پر بھی میں نے اس مضمون میں بڑا زور دیا کرتا تھا۔ مقطوع اللہ میرے حدیث کے سبق میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک مولوی صاحب تھے جو حدیث کی سب کتابوں میں داخل تھے مگر ڈاڑھی منڈا لیتے تھے۔ مدرسین حضرات کو اس کی طرف التفات نہ ہوا مگر میں نے کم دیا کہ ابوداؤد کے سبق سے آپ کا نام کاٹ دیا۔ مگر وہ سبق میں آتے رہتے۔ سہ ماہی کے امتحان میں سب مدرسین کے یہاں اُن کا نام تھا۔ مگر ابوداؤد میں نہیں تھا۔ مہتمم صاحب کو خیال ہوا کہ شاید سہو سے رہ گیا، اُسی وقت مجھ سے دریافت کیا گیا۔ میں بھی امتحان گاہ میں موجود تھا، میں نے کم دیا کہ غلطی سے نہیں رہ گیا بلکہ انکی ڈاڑھی کٹی ہوئی تھی اس لئے میں نے نام کاٹ دیا۔ اگرچہ مدرسہ کا قانون یہ تھا کہ مدرس نام نہیں کاٹ سکتا تھا مہتمم صاحب نام کاٹ سکتے تھے۔ مگر میرے اکابر کی شفقتوں نے مجھے ایسا آزاد کر رکھا تھا کہ میں غیر حاضری وغیرہ پر اپنے رجسٹر سے نام کاٹ کر طالب علم سے کم دیا کرتا تھا کہ میں نے تمہارا نام کاٹ دیا، تم مہتمم صاحب سے جا کر شکایت کرو میں اُن سے منٹ لوں گا۔ میرے اکابر کی محبت نے مجھے گستاخ بنارکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بلند درجے عطا فرمائے اور میری تقصیرات کو معاف کرے۔

ایک یا دو برس کے بعد ان کا خط آیا کہ میں تم سے بیعت ہونا چاہتا ہوں میں نے لکھا کہ تم میری بد غلطی کو بھگت چکے ہو، میرے قشر کو دیکھ چکے ہو میرے اکابر حضرت تھانویؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت راہ پوریؒ کے خلفاء مجھ سے ہمتراؤ بااخلاق ہیں ان سے بیعت ہو جاؤ۔ اس کے بعد پھر ان کا خط آیا کہ میرے جیسے سخت کی اصلاح تم سے ہی ہو سکتی ہے۔

طریقت

ماقبل میں گزر چکا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال فرمایا کہ احسان کیا چیز ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَمَا اَنْتَ تَرَاهُ (الحديث) اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسے اُسکو دیکھ رہے ہو۔

طریقت دراصل اس "احسان" ہی کا ایک نام ہے یا تحصیلِ صفتِ احسان کا طریقہ ہے۔ اسی کو تصوف اور..... سلوک کہتے ہیں، یا جو چاہے نام رکھ دیا جائے۔ یہ سب تعبیرات ہیں۔

میرے دادا مولانا محمد اسماعیل صاحب کا ندھلوی نے حضرت قطب الارشاد گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ مجھے تنہائی میں کچھ کہنا ہے، اور تنہائی میں تشریف لیجا کر یہ عرض کیا کہ میں بیعت تو ہوں مولانا محمد یعقوب دہلوی سے اور تعلیم حاصل کی مولوی مظہر حسین کا ندھلوی سے۔ ان حضرات کی تعلیم نقشبندی تھی، اور انکی تعلیم پر عمل کرنے سے میرے لطائف ستہ آٹھ دن میں ایسے پھرنے لگے جیسے پھر کی پھرتی ہے۔ لیکن مجھے ابتدا سے اتباع سنت کا شوق تھا اور جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں، جیسے پاخانہ میں جاتے وقت یہ پڑھے اور نکلتے وقت یہ۔ اور بازار میں جاتے وقت یہ، الی غیر ذلک۔ میں ان کا بہت اہتمام کرتا رہا ہوں۔ اس لئے مجھے اعمالِ مشائخ سے بہت کم دلچسپی تھی، کبھی دس دن میں کبھی پندرہ دن میں مراقبہ وغیرہ کر لیا کرتا تھا۔ یہ میری حالت ہے اور

اب میری ضعیفی کا وقت ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ جناب مجھے کچھ تعلیم فرمادیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جو اعمال آپ کرتے ہیں ان میں آپ کو مرتبہ احسان حاصل ہے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ حاصل ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بس آپ کو کسی تعلیم کی ضرورت نہیں کیونکہ مرتبہ احسان حاصل ہو جانے کے بعد اشتغالِ صوفیہ میں مشغول ہونا ایسا ہے جیسا کوئی گلستان بوستان پڑھ لینے کے بعد کریمیا شروع کرے اور یہ ظاہر ہے کہ فعلِ محض تصبیح اوقات ہے۔ اس لئے آپ کیلئے اشتغالِ مشائخ میں اشتغالِ تصبیح اوقات اور معصیت ہے۔ (ادراج تلذذ حکایت ۲۹۹)

میں نے یہ قصہ اپنے اکابر سے بھی سنا اور ان میں حضرت گنگوہیؒ قدس سرہؒ، جو: یہ سنا تھا کہ جیسا حافظ قرآن یوں کہے کہ میں نے قاعدہ بغدادی نہیں پڑھا وہ بھی مجھے پڑھا دیجئے۔ حضرت قطب الارشاد قدس سرہؒ کا دوسری جگہ ارشاد ہے، فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ روحانی کی یہ حالت تھی کہ مجھے سے بڑے کافر کو لا الہ الا اللہ کہتے ہی مرتبہ احسان حاصل ہو جاتا تھا، جس کی ایک نظیر یہ ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم پاخانہ پیشاب کیسے کریں اور حق تعالیٰ کے سامنے نکلے اور..... نہ انتہا ہے، اور ان کو مجاہدات و ریاضات کی ضرورت نہ ہوتی تھی اور یہ قوتِ بقیض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ میں تھی مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم تھی اور تابعین میں بھی تھی مگر صحابہؓ سے کم تھی۔ لیکن تبع تابعین میں یہ قوت بہت ہی کم ہو گئی اور اس کی تلافی کیلئے بزرگوں نے مجاہدات اور ریاضات ایجاد کئے۔ ایک زمانہ تک تو محض وسائل غیر مقصودہ کے درجہ میں یہ مگر جوں جوں خیر القرون کو اب آتا گیا ان میں مقصودیت کی شان پیدا ہوتی رہی اور وقتِ فوجت ان میں اضافہ بھی ہوتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین میں بے حد بدعات

علمی و عملی و اعتقادی داخل ہو گئیں۔ محققین صوفیہ نے ان خرابیوں کی اصلاح بھی کیں مگر اس کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ ان بدعات میں کچھ کمی ہو گئی لیکن بالکل ازالہ نہ ہوا۔ حضرت نے مصاحبین میں شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ شہاب الدین سہروردی اور مجدد الف ثانی اور سید احمد صاحب (شہید بریلوی) قدس سرہ اسرارہم کا نام خصوصیت سے لیا اور فرمایا کہ ان حضرات نے بہت اصلاحیں کی ہیں مگر خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا، نیز یہ بھی فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ان حضرات پر طریق سنت منکشف فرمایا ہے۔ پھر فرمایا کہ طریق سنت میں یہ بڑی برکت ہے کہ شیطان کو اس میں رہزنی کا موقع بہت کم ملتا ہے۔ چنانچہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جن امور کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام فرمایا ہے جیسے نماز باجماعت وغیرہ۔ اگر کوئی سختی کے ساتھ ان کی پابندی کرے اور فرائض واجبات و سنن منوکہ کا پورا اہتمام کرے تو نہ خود اُس کو وسوسہ ہوتا ہے کہ میں کامل و بزرگ ہو گیا اور نہ دوسرے اُسے ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ان امور کا اہتمام کرے جن کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام نہیں فرمایا مثلاً چاشت، اشراق، صلوٰۃ اذان وغیرہ کا پابند ہو تو وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ میں بزرگ ہو گیا اور دوسرے بھی سمجھتے ہیں کہ اب یہ بزرگ ہو گیا۔

اسی تقریر کے دوران میں حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ شاعر علیہ السلام نے احسان کو مطلوب قرار دیا تھا مگر صوفیاء نے سبائے اس کے استغراق کو مقصود بنالیا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس کے حاشیہ پر تحریر فرمایا، قولہ صحابہؓ نے عرض کیا:

اقول روی البخاری فی کتاب التفسیر عن ابن عباس

رضی اللہ عنہما قال اناس كانوا يستحيون ان يتخلوا فيفضوا الى السماء وان يجامعوا نساءهم فيفضوا الى السماء فنزل ذلك (ای قولہ تعالیٰ الا انہم یثنون صدورہم..... الایۃ) فیہم قولہ۔ صوفیاء نے بجائے اس کے الخ قول وہی صوفیاء غیر محققین مراد ہیں۔ (ارواح ثلاث حکایت ۱۹۷)

میں شروع میں بھی لکھواچکا ہوں کہ میرے اکابر کے یہاں تصوف اور احسان ایک ہی چیز ہے جو شریعت مطہرہ کا جزو ہے۔ میرے اکابر کی تالیفات اس سے لبریز ہیں حضرت مجدد صاحبؒ نے بہت زیادہ اپنے مکاتیب میں اس پر زور دیا ہے۔ میں نے بھی حضرت مجدد صاحبؒ کے تین مکتوبات شائع کئے ہیں ان میں پہلا مکتوب صابز اوجا یعنی اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے لڑکوں کے نام ہے جو بہت طویل اور بہت اہم ہے، دیکھنے کے قابل ہے، اس میں لکھا ہے کہ:

”حصول تصفیہ و تزکیہ ان اعمال صالحہ کے انجام دینے سے

متعلق ہے جو مریضیات مولیٰ ہوں اور یہ بات بھی موقوف ہے بعثت

انبیاء پر۔ پس بغیر بعثت حصول حقیقت تصفیہ و تزکیہ بھی میسر نہیں

اور جو صفائی کفار و اہل فسق کو حاصل ہو جاتی ہے وہ (درحقیقت)

صفائے نفس ہے نہ کہ صفائے قلب۔ صفائے نفس سے سوائے گمراہی

اور خسارہ کے کسی اور بات کی طرف رہنمائی نہیں ہوتی، صفائے نفس

کی حالت میں جو بعض امور غیبیہ کا کشف کفار و اہل فسق کو ہو جاتا

ہے وہ استدراج ہے“

یہ تین مکتوبات، کتابہ اشاعت اہلوم وکتب خانہ کجوری سے فراہم ہو سکے ہیں۔ نامشہد

اس کے بعد عقائد پر زور دینے کے بعد تحریر فرمایا ہے :

”بعد از تصبیح عقائد احکام فقہ کے یکے بغیر پارہ نہیں ہے اور فرض و واجب، حلال حرام، سنت، مندوب، مستحب اور مکروہ کا جاننا بھی ضروری ہے اور ایسے ہی علم فقہ کے مقتضی کے مطابق عمل کرنا بھی لازم ہے۔ بعد حاصل کرنے اعتقاد و عمل کے دو بازوؤں کے اگر توفیق ایزدی رہنمائی فرمائے تو طریقہ صوفیاء کا سلوک ہے۔ یہ سلوک اس لئے نہیں کہ اس اعتقاد و عمل سے مزاید یا نئی کوئی شئی حاصل کریں، بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ مقتدا کے بارے میں ایسا یقین و اطمینان حاصل کریں کہ وہ یقین و اطمینان کسی شک ڈالنے والے کے شک ڈالنے سے زائل نہ ہو سکے اور کسی شبہ کے وارد ہونے سے باطل نہ ہو۔ نیز سلوک سے یہ فائدہ بھی ہے کہ اعمال کیلئے سہولت حاصل کریں اور سستی اور سرکشی جو نفس امارہ سے پیدا ہوتی ہے زائل کریں۔ طریقہ صوفیاء پر چلنے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ اور انوار الوان کا مسانہ کریں، یہ تو خود داخل لہو و لعب ہیں۔ حقیقی صورتیں اور انوار کیا نقصان رکھتے ہیں کہ کوئی ان کو چھوڑ کر ریاضات و مجاہدات کر کے تہائے صورت و انوار غیبی کرے، اس لئے کہ یہ حسی صورتیں اور وہ غیبی صورتیں اور یہ انوار اور وہ انوار کے سب مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں۔“ فقط

یہ ناکارہ شروع میں لکھوا چکا ہے کہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تعلیم دی تھی اُس میں پہلی چیز ایمان ہے یعنی اعتقادات اور دوسرا اسلام تھا یعنی اعمال شرعیہ، اور تیسرا احسان تھا یعنی سلوک۔ یہی لڑتے ہی حضرت مجدد صاحب کے اس مکتوب میں تفصیل سے ذکر کی گئی ہے۔

ایک اور مکتوب ۳۱ اس بیان میں ہے کہ ”شریعت تمام سادات دینیہ و اخرویہ کی نفیل ہے اور طریقت و حقیقت خادمان شریعت ہیں۔ حضرت تحریہ فرماتے ہیں کہ شریعت کے تین جز ہیں۔ علم، عمل، اخلاص۔ جب تک یہ تین جز متحقق نہ ہوں، شریعت متحقق نہیں ہوگی، شریعت متحقق ہوگی تو رسلے حق سبحانہ حاصل ہوگی اور یہ رسلے باری ہیں۔ تمام سادات دنیویہ و اخرویہ سے بلند و بالا سے و رضوان من اللہ اکثر پس شریعت ہی تمام سادات دارین کی ناس ہے۔ اب کوئی مقصد نہ رہا کہ اس مقصد کیلئے شریعت کے علاوہ کسی امر کی استیانت ہو۔ طریقت و حقیقت جن کے ساتھ صوفیہ ممتاز ہیں دونوں شریعت کے جزو سوم یعنی اخلاص کی تکمیل کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ پس ان دونوں کی تکمیل سے غرض تکمیل شریعت ہی ہے نہ کہ کوئی اور امر علاوہ شریعت کے انوار و مواجید علوم و معارف جو صوفیہ کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ مقاصد نہیں ہیں بلکہ ان کی حیثیت ان خیالات کی سی ہے جن سے اطفال طریقت کی تربیت ہوتی ہے۔ ان سب چیزوں سے گے بڑھ کر مقام رسالت تک پہنچا جائیے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں مقامات جذب سلوک کی انتہا ہے اس لئے کہ منازل طریقت و حقیقت کو طے کرنے سے مقصود سوائے تحصیل اخلاص کے اور کچھ نہیں اور اخلاص رضائے باری تعالیٰ کو مستلزم ہے۔ تجلیات و مشاہدات

عارفانہ سے گذار کر دولتِ اخلاص اور مقامِ رضا تک ہزار میں سے کسی ایک کے پہنچایا جاتا ہے۔ کوتاہِ نظر لوگ احوال و مواجید کو مقاصد میں اور مشاہدات تجلیات کو مطالب میں شمار کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے زندانِ وہم و خیال میں گرفتار اور کمالاتِ شریعت سے محروم رہتے ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ حصول مقامِ اخلاص اور حصولِ مرتبہٴ رضا ان احوال و مواجید اور علوم و معارف کے تحقق سے وابستہ ہے لہذا یہ احوال و مواجید مقدماتِ مقصود ہیں نہ کہ مقصود۔ مجھے حقیقتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں کامل دس سال کے بعد اس راہ میں چل کر واضح ہوئی ہے اور شاہدِ شریعت کما حقہ جلوہ گر ہوئے ہر چند کہ میں شروع سے بھی احوال و مواجید میں گرفتار نہ تھا اور حقیقتِ شریعت کے تحقق کے علاوہ کوئی مقصد میرے پیشِ نظر نہ تھا لیکن بعد عشرہٴ کاملہ پورے دس سال کے بعد حقیقتِ امر پورے طریقہٴ ظاہر ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا اَطْلَبُ اَمْبَارًا کَاذِبًا مِّمَّا رَکَّاعًا عَلَیْہِ (تجلیاتِ ربانیؑ)

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس ناکارہ نے مولانا حبیب الرحمن صاحب رئیس الاہرام کے حقیقتِ تصوف سے متعلق سوال پر ان سے بھی یہی عرض کیا تھا کہ تصوف صحیح نیت کا نام ہے جیسا کہ آپ بیٹی ما کے شروع میں مفصل گذر چکا ہے۔ آپ بیٹی میں اور بھی بہت سے واقعات اس مضمون کے گز سے ہیں..... حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مکاتیب میں بھی اس پر بہت زور ہے مکتوبِ نہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”کمالات ولایت صورتِ شریعت کا نتیجہ ہیں اور کمالاتِ نبوت حقیقتِ شریعت کا ثمرہ، پس کمالات ولایت اور کمالات

نبوت میں سے کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو دائرہٴ شریعت سے باہر اور شریعت سے مستغنی ہو۔ فقط دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:-

”تصحیح عقائد کے بعد علمائے اہل سنت و الجماعت کی صاحبِ رائے (جو کہ کتابِ سنت سے ماخوذ ہے) کی موافقت بے حد ضروری ہے، نیز ادائے فرض و واجبات اور اجتناب از محرّمات کے بغیر کام نہیں چل سکتا..... مسلمان کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (جو حدیثِ جبریلؑ میں ایمان کی شرح میں گزری) اگر ان پانچ چیزوں میں سے ایک بھی نہ ہوگی تو خانہٴ دین ویران اور ناتمام ہے گا۔ بعد تصحیح عقائد و اعمالِ صوریہ۔ سلوکِ طریقہٴ صوفیہ بھی ضروری ہے تاکہ معرفتِ حق حاصل ہو جائے اور خواہشاتِ نفسانی کی آویزش سے نجات ملے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو بند اپنے ولی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی معرفت سے خالی ہے اور اس کو نہیں پہچانتا وہ کیسے اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور کس طرح دوسری چیزوں سے مانوس ہے۔“

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”برادرِ ملاحسن علی نے میرے ایک مکتوبِ شام عبید اللہ بیگ پر ایک شبہ تحریر کیا ہے اور اس کا جواب مانگا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ حسن و قبح کا امتیاز مقامِ شریعت میں ہوا کرتا ہے، چنانچہ انہوں نے ایک رسالہ میں لکھا دیکھا ہے کہ طریقت میں سب صلح اور ہر کسی سے

دوستی ہوتی ہے بخلاف شریعت کے کہ وہاں دشمنوں سے جنگ اور دوستوں سے صلح ہوتی ہے الخ عجیب و اہمیات شبہ بہ بھلا طریقت کا شریعت سے کیا تقابل ہے اور ان دونوں میں مسابقت کہاں سے آئی، شریعت تو ایسی قطعی وحی سے ثابت ہوئی ہے جس میں شک و ریب کو بالکل گنجائش نہیں، اس کے احکام میں فتح و تبدیلی نہیں، تا قیام قیامت یہ احکام باقی رہیں گے۔ شریعت کے تقاضا پر عمل کرنا تمام عوام و خواص کیلئے ضروری و لا بدی ہے۔ طریقت کی مجال نہیں کہ وہ شریعت کے احکام کو اٹھائے اور اہل طریقت کو تکالیف شرعیہ سے آزاد کرے۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد قطعیہ میں سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ بندہ بحالت ہوش و حواس ہرگز ایسے درجہ پر نہیں پہنچتا کہ تکالیف شرعیہ اس سے ساقط ہو جائیں۔ جو اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ جگر اسلام سے باہر ہے جس جماعت کو اللہ تعالیٰ اپنا دشمن قرار دے اور غلظت و شدت کا حکم دے اس سے آشتی اور دوستی رکھنا قاعدہ اسلام سے خارج ہے، یہ بات اور دعوائے محبت خدا و رسول دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ محبوب کی اطاعت اور محبوب کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے بیزاری لازم محبت سے ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض سالکین پر کچھ ایسے امور جو بظاہر مخالف کتاب و سنت ہوتے ہیں وارد ہو جاتے ہیں۔ سالک ایسے وقت میں سر رشته شریعت کو ہاتھ سے نہ دے۔

دانتوں سے مضبوط پکڑ لے اور اپنے کشف و وجدان کے برخلاف اہل سنت و جماعت کی تقلید کرتے ہوئے ان کا اعتقاد و عمل الحقیقی کرے۔ بعض اوقات راہ سلوک کے خس و خاشاک اِنِی اَنَا اللہ کا نعرہ لگا کر سالک بیچارہ کو مطالب اعلیٰ سے ہٹا کر اپنی پستش کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔ ایسے وقت میں سالک مستقیم کو ضرورت ہے کہ وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی طرح لَا أُحِبُّ الْاٰفِلٰہِیْنَ کہہ کر وَجْہِہٖتُ وَجْہِی اللہ کے بموجب میدان غیب الغیب میں دوڑ لگائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری متابعت کرے تاکہ زیغ البصر میں گرفتار نہ ہو۔“

(مکتوب خواجہ محمد مصوم ص ۳۷ ص ۱۲۱)

حضرت خواجہ صاحب نے اس مکتوب میں جس مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے آپ بیتی ص ۱۹۷ میں بروایت حضرت نانوتوی ارواح شمس سے نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ خواجہ احمد جام مستجاب الدعوات مشہور تھے۔ ایک عورت ان کی خدمت میں اپنے ایک نابینا بچہ کو لائی اور عرض کیا کہ اپنا ہاتھ اس کے منہ پر پھیر دیجئے اور اس کی آنکھیں اچھی کر دیجئے۔ اس وقت آپ پر شان عبدیت غالب تھی اس لئے نہایت انکسار کے ساتھ فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ اس نے اصرار کیا مگر پھر آپ نے وہی جواب دیا۔ غرض کہ تین چار مرتبہ یونہی رد و بدل ہوئی۔ جب آپ نے دیکھا کہ وہ مانتی ہی نہیں تو آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ یہ کام تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا، وہ اندھوں اور مفلوحوں کو اچھا کرتے تھے میں اس قابل نہیں ہوں۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ الہام ہوا کہ ص ۱۲۱ جو نکان دین علماء و مشائخ ہندوپاک کی حکایات پر مشتمل ہے، یہاں کتب خانہ سے طلب کیجئے، ناشر

تو کون، عیسیٰ کون اور یونہی کون، پیچھے لوٹ اور اس کے منہ پر ہاتھ پھیر، نہ تم
اپنا کر سکتے ہو نہ عیسیٰ، ماما کی کنیم (ہم کرتے ہیں) آپ یہ سن کر لوٹے
اور۔۔۔ ماما کی کنیم فرماتے جاتے تھے اور جا کر اس کے منہ پر ہاتھ پھیر دیا
اور انہیں اچھی ہو گئیں۔

یہ قصہ بیان فرما کر حضرت نانوتوی قدس سترہ نے فرمایا کہ احمق لوگ
یوں سمجھ جایا کرتے ہیں کہ یہ ماما کی کنیم خود کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ ان کا قول نہیں
ہوتا بلکہ وہ حق تعالیٰ کا قول ہوتا ہے۔ جب کوئی کسی گوشت سے عمدہ شہر منسلک ہے
تو اس کو اپنی زبان سے بار بار دہراتا ہے اور مزے لیتا ہے۔ اسی طرح وہ اس
الہام کی لذت سے حق تعالیٰ کا ارشاد ماما کی کنیم بار بار دہراتے تھے۔

حضرت تھانوی قدس سترہ اس کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں، قول وہ
حق تعالیٰ کا قول ہوتا ہے۔ اقول منصور علاج کے قول انا سخی کی سبک سے
اچھی تاویل یہی ہے۔ (آپ مینی ۵ ص ۱۹)

آپ مینی ۵ میں بہت سے الفاظ بزرگوں کے اس قسم کے نقل کئے گئے
ہیں اور بعد میں لکھا ہے کہ مقصد اس ساری تحریر یہ ہے کہ آدمی کو اپنی فکر میں
ہر وقت مشغول رہنا چاہیے۔ دوسروں کی تنقید یا عیب جوئی کی فکر میں نہ پڑنا چاہئے
خاص طور سے اکابر کے جو کہ مقصد اور علماء ہوں، ان کے اقوال افعال
کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے۔ خلاف شرع میں اتباع کسی کا نہیں لیکن ان کے اقوال
وافعال کی ذمہ داری تم پر نہیں۔ (آپ مینی ۵ ص ۱۹)

خواجہ صاحب ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں،
”چاہئے کہ کمر بہمت کو احکام شریعت کی انجام دہی کیلئے چٹ

باند میں اور بالعدوف اور نہی عن المنکر کو اپنا شیعہ اور طہارت
بنائیں، سنن مترکہ کے زندہ کرنے کو زبردست کام لیں، ہر
وارد جو قلب پر گزرتا اس کے پھیلانے میں کوشش کریں، دفاع
اور منامات پر اعتماد نہ کریں اگر کوئی خواب میں بادشاہ یا قطب
ہو جائے تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ بادشاہ اور قطب ہے جو خارج میں
منصب بادشاہت اور منصب قطبیت پر فائز ہو۔ اگر بالفرض
خارج میں بھی کوئی بادشاہ ہو گیا اور کائنات اس کی سخر ہو گئی تو کوئی
بزرگی اس کو حاصل ہو گئی اور کونسا عذاب گور۔۔۔۔۔ اور عذاب
قیامت اس سے رٹ ہو جائے گا۔

بلند بہت لوگ اس قسم کے امور کی جانب التفات نہیں
کرتے اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں کوشاں رہتے ہیں، وہ
فنا و نیستی اور مستمر و ابدات میں کوشش کیا کرتے ہیں۔

تم پیسے دوستوں سے امید رکھتا ہوں کہ اس عاصی کو فراموش
نہ کر گئے اور اس فقیر کے حق میں اللہ تعالیٰ سے رحمت مغفرت اور
رضا کو مانگو گے“ (مکتوبات خواجہ محمد معصوم ص ۱۴)

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”اس وقت عہد نبوت سے دوری اور قرب قیامت کی
وجہ سے بدعت شائع ہوتی جا رہی ہے اور بدعت کی ظلمتیں عالم
پر محیط ہیں، سنت غریب نادر ہو گئی ہے اور اس کے انوار مستور
ہو رہے ہیں، سنن مترکہ کے زندہ کرنے اور علوم شرعیہ کے پھیلانے

کیلے لکڑی بہت خوب مضبوط باندھو اور اس امر کو وسیلہ کمال بنانا
حق بناؤ۔ نیز قریب بارگاہ محمدی کو بھی اسی عمل سے ڈھونڈو۔ مضمون
حدیث ہے کہ جو شخص میری امی سنت کو جو متروکہ العمل ہو گئی ہے
زندہ کرے گا اُس کو توشہ شیدوں کا ثواب ہے۔ احیائے سنت کا پہلا
درجہ تو یہ ہے کہ اس سنت پر خود عمل کرے اور اعلیٰ درجہ اس سنت
کی نشر و اشاعت اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا
ہے۔“ (مکتوبات خواجہ محمد مصوم ص ۲۹)

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ تعلیم الدین ۱۸۲۷ میں تحریر فرماتے ہیں :-
”اس غلطی کی اصلاح کنفیری میں اتباع شریعت کی
ضرورت نہیں، فتوحات میں ہے :- جو حقیقت شریعت کے
خلاف ہو بدینی اور مردود ہے۔ اور اسی میں ہے جو شخص لکے کہ
ادھر کوئی اور راہ ہے۔ اللہ کی طرف بخلاف اس کے جو شریعت
نے بتلادیا اُس کا قول جھوٹا ہے، پس ایسے شیخ کو مقتدا نہ بنایا
جائے جس کو ادب نہ ہو اور اس میں ہے :-
”نہیں ہے، ہمارے لئے اللہ کی طرف کو کوئی راستہ مگر

شرعی طور سے، اور نہیں ہے کوئی راہ ہمارے لئے اللہ کی طرف کو
مگر وہی جو اُس نے شریعت میں بتلادیا“

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں اگر تم ایسا آدمی دیکھو کہ کہ متیں دیا گیا ہے
یہاں تک کہ ہوا پر اڑتا ہے تو دھوکہ میں نہ آجاؤ جب تک یہ نہ دیکھو کہ امر وہی
اور حفظ حدود اور پابندی شریعت میں کیسا ہے“

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں ”سب راہیں بند ہیں مگر مخلوق پر سوائے اس کے
جو قدم بقدم چلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور فتوحات میں ہے نہیں ہے
اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو شخص نہ جانتا ہو اُس کے حکم کو کسی مرتبہ میں۔ کیونکہ اللہ
تعالیٰ نے نہیں بنایا کسی جاہل کو ولی، اور اسی فتوحات میں ہے کہ باوجود علم کے
یہود و گونا گونا بہتر ہے اُس عمل سے جو جاہل سے ہو۔ فقط۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے کہ عالم اگر کوئی یہودہ بات
بھی کرے کہ آج ایسی خلافت اور بری نہیں ہوئی کہ کفر و شرک تک نوبت پہنچ
جائے، اور چونکہ اُس کی بُرائی سے واقف ہے، توبہ کی اُمید ہے، بخلاف جاہل
کے کہ بسا اوقات ضروری اعمال نماز، روزہ بھی درست نہیں ہوتا اور لا علمی
سے کفر و شرک لازم آجاتا ہے اور چونکہ اس کی بُرائی سے واقف نہیں توبہ بھی
نصیب نہیں ہوتی۔ بڑا طویل مضمون تعلیم الدین میں حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے :-
”میرے والد صاحب ایک مرتبہ گرمی میں غسل فرماتے تھے اور دو تین

مستعد طالب علم پانی بھر بھر کر ڈول سے ڈال رہے تھے۔ ایک صاحب وہاں
بیٹھے ہوئے تھے، کہنے لگے حضرت جی یہ اسراف نہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ تمھارے
واسطے اسراف ہے میرے واسطے نہیں۔ کہنے لگے یہ کیا بات؟ تو والد صاحب
نے فرمایا کہ میں عالم ہوں تم جاہل ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ یہ تو وہی ہو گیا کہ
مولوی اپنے واسطے جو چاہیں جائز کر لیں۔ والد صاحب نے فرمایا فرمایا کہ بالکل
صحیح ہے مولوی تو اس لفظ سے فضول بردار ہیں۔ ایک ہی کام اگر جاہل کے
توپانے جاہل کی وجہ سے ناجائز کر کے کرے گا، اور وہی کام اگر عالم کرے تو اُس کو
جائز کر کے کرے گا۔“

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ حضرت بلالؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجور لائے (جو عمدہ قسم کی ہوتی ہے) تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہاں سے لائے۔ انھوں نے عرض کیا کہ میرے پاس گھٹیا کھجوریں تھیں تو میں نے اُس میں سے دو صاع کے بدلے میں ایک صاع برنی لے لی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہائے ہائے یہ تو بالکل برباد ہو گیا، ایسا ہرگز نہ کھجیو، جب ایسا کرنا چاہو تو دو صاع کھجوریں داموں سے فروخت کر دیجیو اور ان داموں سے ایک صاع برنی خرید لیجیو۔ ظاہر ہے کہ جاہل ان دونوں میں کیا فرق کریگا۔ وہ تو یہی سمجھے گا کہ دو کے بدلہ میں ایک صاع برنی لی گئی۔ لیکن عالم اس کو جانزکر کے خریدیگا کہ پہلے ان کو مثلاً دو روپے میں فروخت کر لیگا اور ان ہی دو روپے میں ایک صاع برنی خرید لیگا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ کے مکاتیب میں بھی کثرت سے اس پر زور دیا گیا ہے کہ مقصود اصلی سلوک سے احسان ہے۔ وہ ایک نکتہ تب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"میرے محترم! مقصود اصلی سلوک سے احسان ہے
 اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ (الحدیث) یعنی سالک میں
 ملکہ راسخ پیدا ہو جائے، یہ مبداء ہے، اور باعتبار نہایت کے
 رضائے باری عز اسمہ کا حصول ہے۔"

فراق و وصل چرخِ راہی رضائے دورتِ غلب
 کہ حیف باشد از وغیر ازیں تمتائے
 فراق و وصل کو کیا ڈھونڈ آئے، محبوب کی رضا مندی ڈھونڈ

کہ محبوبیت محبوب کے سوا کی تمنا بڑے افسوس کی بات ہے)۔
 یہ کوشش کرنا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت صادقہ پیدا ہو جائے
 اور وہ بڑھتے بڑھتے اتنی ہو جائے کہ ماسوا کا تعلق قلبی منقطع
 ہو جائے یہ اور اس کے مؤیدات و ذرائع سب کے سب وسائل ہیں
 ریاضات اور اصلاح اخلاق بھی اسی قسم سے ہیں۔ متفرد میں
 صوفیاء اصلاح اخلاق کو مقدم سمجھتے ہیں اور بسا اوقات اس میں
 سالہا سال خرچ کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں بسا اوقات وصول
 الی اللہ سے پہلے ہی موت آجاتی ہے اور انسان کو اس نعمت
 سے محرومی کی حالت میں دنیا سے سفر کرنا پڑتا ہے۔ متاخرین
 نے اس میں تدبیر سے کام لیا وہ وصول الی اللہ

اور توجہ الی الذات المقدسہ کو مقدم فرماتے ہیں اور
 اس رابطہ میں انہماک کرنا کہ حضور دائم کو پیدا کرتے ہیں اور اس
 ملکہ کو رُخ قوت دیتے ہیں اور جس کی وجہ سے اخلاق ذمیرہ
 و ذائل ایک ایک کر کے زائل ہو جاتے ہیں۔ بہر حال آپ توجہ
 الی الذات المقدسہ میں ہمیشہ کوشاں رہیں خواہ ذات محضہ
 کی طرف یا باعتبار صفت من صفاتہ الکاملہ اور اَلَّذِیْنَ هُمْ
 عَلٰی صَلَواتِہِمْ دَائِمُونَ کا حال قائم رکھیں۔ انسان کے
 اعمال میں نقائص کا ہونا فطری امر ہے مگر انسان کا فریبہ
 ہے کہ نقائص کے ازالہ میں کوشاں ہے اور اِیَّاكَ نَسْتَغِیْثُ
 ہر نماز میں اخلاص سے کہتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم ارشاد فرماتے ہیں دعا میں ما عرفناک حق معرفتک

اللہ تعالیٰ کو پوری طرح پہچان سکے اور جس طرح تیری عبادت کرنی چاہیے اسکا

حق ادا کر کے) غرض کہ اپنی طرف سے ہر وجہ اعمال کی تہمید
و اخلاص کی تکمیل ہمیشہ جاری رہنی چاہیے۔ اور بارگاہِ
خداوندی میں اقرار بالتقصیر کے ساتھ جو کہ واقعی امر ہے معافی
کی درخواست ہمیشہ جاری رہنی چاہیے۔ اور قبولیت کی امید
رکھتے ہوئے ہر وقت غائف عن غضبہ تعالیٰ بھی رہنا ضروری
ہے۔ الا یمان بین الخوف والرجاء۔

اتباع سنت کا ہمیشہ اور ہر امر میں خیال رکھیں علاوہ
مراقبہ معلومہ کے دوسرے اذکار کی ضرورت اگرچہ اب نہیں ہے
مگر تائید اور تقویت کے لئے جو نسا ذکر مناسب سمجھیں کرتے رہا
کریں، صراطِ مستقیم اور امداد السلوک کو زیر مطالعہ رکھیں۔
(مکتوباتِ ریح الاسلام جلد ۱۲ مکتوبہ)

ایک اور طویل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”جہاں تک ممکن ہو اتباعِ شریعت اور سننِ نبویہ علی صاحبہا
الصلوة والسلام کی تائید و رہی ہمیشہ لمحوں قلب بصر رکھئے۔ ذکر
میں غفلت مت کیجئے، اپنی غفلات اور معاصی پر ہمیشہ تائب
اور متغفر رہئے۔ عمر گرا نمایہ کو ضائع مت کیجئے۔

جز یاد دوست ہر چہ کئی عمر ضائع است

جز ہر عشق ہر چہ بخوانی بطلالت است

سعدی بشتوئے لوح دل از نقش غیر حق

علیکہ راو حق نہ نماید جہالت است

”دوست کی یاد کے سوا جو کچھ کرے سب بیکار ہے، عشق کے اسرار
کے علاوہ جو کچھ پڑھے بیکار ہے، سعدی! غیر حق کو دل کی تختی و
دھوئے جو علم اللہ تعالیٰ کا راستہ نہ دکھائے جہالت ہے۔“
(مکتوباتِ ریح الاسلام جلد ۱۲ ص ۲۵)

اس سے اگلے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

”کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آپ بتلائے ہوئے اذکار کو چھوڑ
بیٹھے ہیں۔ کبھی جوش آیا مہینہ دو مہینے کیا پھر چھوڑ بیٹھے، کیا یہ
واقعہ نہیں ہے کہ آپ پنجگانہ نماز جماعت کی پابندی نہیں کرتے۔
کیا یہ واقعہ نہیں کہ نماز فرض کو آپ قضا کر دیتے ہیں۔ صبح کو اس قدر
سوئے کہ آفتاب نکل آیا، اس قسم کے واقعات سے آپ کے ہمدردوں
اور خیر خواہوں کے دل پر صدمہ نہ ہوگا۔ بہر حال آپ کو لازم ہے کہ
اپنی اصلاح کریں۔ اتباعِ شریعت اور احیائے سنت میں کوشاں
ہوں، جب آپ پر مصائب کی بوچھاڑ ہوتی ہے تب متنبہ ہوتا ہے
اور جب اللہ تعالیٰ فارغ البالی عطا فرماتا ہے تو بالکل بے فکر
ہن جاتے ہیں۔ جس قدر بھی ممکن ہوا ہے کوڑکوں کا عادی بنائے۔“
(مکتوبہ ۲۵)

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”جو احوال جناب نے تحریر فرمائے ہیں اطمینان بخش

اور امید افزا ہیں (الاستقامۃ فوق الکرامۃ) خواب یا افواہا الہامات

وغیرہ صرف دل بڑھانے کیلئے سالک کو پیش کئے جاتے ہیں جیسے بچے

کو بھانے کیلئے گھنگھنا دیا جاتا ہے۔ اکابر کا مقالہ تلک خیالات تربی بہا اطفال الطریقة (یہ سب خیالات ہیں جن سے سلوک کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے) مشہور ہے۔ عبادت اور ذکر پر مداومت، اتباع سنت اور شریعت پر قیام یہی امور ہیں جن کے ہم مکلف ہیں اور جن پر استقلال سے عمل پیرا ہونا اور درجات احسان کا حاصل ہونا کمال ایمانی ہے۔ خوف خداوندی اور رجا و دونوں ایمان کے کمال کی نشانیاں ہیں بکاء اور گریہ کا غلبہ حشیتہ نسبت کا ظہور ہے۔ اللہم زد قرد (مکتوبات شیخ الاسلام جلد سوم ص ۱۶۸ مکتوب ۵)

اس سے اگلے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”محترما! دنیاوی مصائب بھی اُس کی رحمتیں ہیں جن کے ذریعہ سے بندہ کو اپنی طرف کھینچا جاتا ہے ورنہ بندہ فرعون سامان بن کر اناربتکھ الاعلیٰ کا نعرہ لگانے لگتا ہے وَ لَوْ سَطَّ اللَّهُ الرَّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ (اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کیلئے روزی فراخ کر دیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے۔ بیان القرآن) اس کی دلیل ہے۔ نیز ابتلا اور امتحان آزمائش اور پرکھ دونوں طرح جاری ہے، انعام اور درست دنیاوی سے بھی اور تنگدستی اور مصائب سے بھی۔ وَ تَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْحَرِّ فَذْنَةً (ہم تم کو بُری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں۔ بیان القرآن) دوسری جگہ فرمایا گیا ہے وَ بَلَّوْنَاھُمْ

بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ (اور ہم ان کو خوش حالیوں اور بد حالیوں سے آزماتے ہیں۔ بیان القرآن)

غرضیکہ یہ عالم امتحان کی جگہ ہے اور طرح طرح سے امتحانات کا سلسلہ جاری ہے اس میں پاس ہونے کی فکر ہونی چاہیے اور بجز مالک حقیقی دائم و باقی کسی چیز اور کسی شخص سے دل لگانا نہ چاہیے جو کام کہیے حسن نیت کے ذریعہ سے عبادت بنا لیجئے۔ اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ حتیٰ کہ سونا، کھانا، پینا اور معاملات بشریہ کا بجالانا سب عبادت ہو سکتا ہے۔ ذریعہ اور وسیلہ عبادت یقیناً عبادت ہے ذکر اور فکر سے مقصد اصلی رضائے محبوب حقیقی ہے کسی لذت کا حاصل ہونا، قلب کا صاف ہونا، کشف کرامات کامل جانا، انوار و برکات کا محسوس ہونا۔ فنا اور بقا و قطیعت غوثیت سب کے سب غیر مقصود ہیں۔ ان کی طرف توجہ اور قصد خطرناک چیزیں ہیں۔

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب

کہ حیف باشد از وغیر ازیں تمنائے

(فراق و وصل کو کیا ڈھونڈتا ہے محبوب کی رضامندی ڈھونڈ

کہ محبوب سے محبوب کے سوا کی تنہا بڑے افسوس کی بات ہے)

مذکورہ بالا اشیاء وسائل و ذرائع ہیں مقصد اصلی صرف

رضائے الہی ہے۔ بندہ کا فریضہ آداب عبودیت بجالانا ہے۔

اس میں جد و جہد جاری رکھیے اور اخلاص و لہجیت کو ہمیشہ

پیش نظر رکھیے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۶۹)

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”یہ عمر عزیز اور اس کے لمحات بیش قیمت جواہر ہیں۔ ہم اپنی غفلتوں میں ان کو ضائع کر رہے ہیں جن کا خمیازہ بجز کفِ افسوس ملنے کے اور کیا ہو سکتا ہے اور کیا ہو گا جبکہ ہم کو کسا جائے گا اَوْ لَمْ نَعْتَرِكُمْ مَا يَنْذِرُ كَرَفِيفٍ مِنْ تَذَكُّرٍ وَجَاءَكُمْ الْمَذْيِرُ فِدْ وَقَوَامًا لِلظَّالِمِينَ مِنْ تَصْدِيرٍ (کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا، اور تمھارے پاس ڈرنے والا بھی پہنچا تھا یعنی پیغمبر، سو مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ بیان القرآن)

میرے محترم! دوستوں اور احباب کی وجہ سے ان لمحاتِ عزیزہ کو ضائع کرنا کس قدر بے وقوفی ہے، سو چکر اور غور کر کے اس کو سمجھیے۔

یہ جلسہ بازیوں اور اٹھکھیلیاں آج ابھی معلوم ہو رہی ہیں مگر موت کے قریب اور بعد ان پر لعنت اور ہزار لعنت بھیجی ہو گی، ان میں جہاں تک ممکن ہو کمی کیجیے۔ لَا تَلْهَكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (تم کو تمھارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرنے پاویں۔ بیان القرآن) پر غور کیجیے۔ أَمْوَالٌ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَةُ الصَّالِحَاتُ (مال اور اولاد حیاتِ دنیا کی ایک رونق ہے

اور جو اعمالِ صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں اور اُمید کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں۔ بیان القرآن) کو پس پشت نہ ڈالئے۔ یہ جوانی کی عمر اور صحتِ حاضرہ نہایت عظیم الشان نعمت ہے، اس کو ضائع نہ ہونے دیجیے۔

ہر نفس بہر مسیحا نیت چُست
گر نداری پاس او از جہل تست
ایں جنسِ انفاس خوش ضائع مکن
غفلتِ اندر شہر جاں شائع مکن

(ہر لمحہ (زندگی) مسیحائی کیلئے آمادہ اور تیار ہے۔ اگر تو اس کا لحاظ نہیں کر سکتا تو یہ تمھاری جہالت ہے، ان بہترین لمحات کو ضائع مت کر اور غفلت کو روح کے شہر میں عام مت کر، نعمتانِ مغبون فیہما کثیر من الناس الصحة والفراغ (و نعمتیں اللہ تعالیٰ کی ایسی ہیں جن میں بہت سے لوگ خسارہ میں ہیں، صحت اور فراغت) اس کی قدر کیجیے اور پاسِ انفاس کو اس درجہ بڑھائیے کہ بلا قصد و بلا اختیار ہر وقت ہونے لگے اور اس کے بعد ذکرِ قلبی کے جریان کی نوبت پہنچ جائے اور ترقیِ سلوک کا راستہ کھل جائے۔ تاخیر نہ کریں اتباعِ سنت کا ہر حرکت و سکون میں لحاظ رکھیے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۷۰)

اکابر کے کلاموں میں بہت تصریح اس بات کی ہے کہ اصل مقصود درجہ

احسان کا حاصل کرنا ہے اور یہ مجاہدات و ریاضات جو صوفیوں نے تجویز کئے ہیں وہ امراض قلوب کی وجہ سے تجویز کئے ہیں جیسا کہ امراض بدنہ میں نئے نئے امراض پیدا ہوتے رہتے ہیں اور اس کیلئے اکثر حکیم نے نئے ادویہ تجویز کرتے رہتے ہیں جیسا ان کے متعلق یہ شبہ نہیں ہوتا کہ یہ بدعت ہیں ایسا ہی ان علما و اہل کے متعلق یہ تجویز کرنا کہ یہ بدعات ہیں یہ ناواقفیت ہے۔ وہ تو اصل مقاصد میں ہی نہیں۔ وہ تو خاص خاص امراض کے خاص خاص طریقہ علاج ہیں۔

..... شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ "التحفة العزاقیہ فی فی الاعمال القلبیہ" میں اعمال قلوب پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے وہ فرماتے ہیں (پہل رسالہ عربی میں ہے ترجمہ میں اس کا ملخص لیا گیا ہے) کہ چنانچہ کلمات اعمال قلوب کے بیان میں میں جن کو مقامات و احوال سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ اصول ایمان و قواعد دین نہیں سے میں جیسے اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت، توکل، اخلاص، شکر، صبر، خوف ورجاء وغیرہ، یہ سارے اعمال تمام مخلوق پر واجب ہیں۔ اس میں ائمہ دین کا اتفاق ہے اور لوگ اس میں تین درجہ پر ہیں جیسا کہ اعمال ابدان میں تین درجہ پر ہیں۔ (۱) ظالم (۲) مقصد (۳) سابق بالخیرات۔

(۱) ظالم وہ ہے جو کسی مامور کا تارک اور ممنوع کا مرتکب ہو۔ (۲) اور مقصد وہ ہے جو واجبات کو ادا کرے اور محرمات سے بچے۔ (۳) اور سابق بالخیرات وہ ہے جو حتی المقدور تقرب حاصل کرے۔ واجبات، مہنونات و مستحبات سب کے ذریعہ اور ممنوعات کی قسم محرمات، مکروہات سے بچے۔ اگرچہ مقصد اور سابق بالخیرات سے بھی گناہ ہو جاتے ہیں جو یا تو توبہ سے یا نیکیوں یا مصائب کے ذریعہ

معاف کر دیئے جاتے ہیں اور یہ دونوں مقصدین اور سابقین اولیاء اللہ ہیں سے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ط

لہذا اولیاء اللہ مؤمنین متقین ہیں۔ لیکن یہ ان مؤمنین متقین کی دو قسمیں ہیں، عام اور خاص۔ عام مقصدین ہیں اور خاص سابقین بالخیرات ہیں۔

اس کے بعد شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے پورے رسالہ میں اعمال باطنہ کی مختصر تفصیل لکھی ہے۔ صدق و کذب، اللہ کی محبت، اس کے ساتھ اخلاص، اس پر توکل اور اس کی رضا جوئی اور اس جیسے اعمال باطنہ سب مامور پر ہیں، توکل علی اللہ اور اللہ سے مدد چاہنے سے بھی بندہ اپنے مقصود کو پہنچ سکتا ہے۔ پھر توکل مفصل بحث کی ہے۔ واجبات ایمان میں سے سب اعظم اکبر و اجل اللہ کی محبت اور اس کے رسولؐ کی محبت ہے۔ نیز اللہ کے محبوب اور محبوبین کی صفات اور یہ کہ اللہ کی محبت اصل، اعمال دین ہے اور رجا، خوف وغیرہ اللہ کی محبت کو مستلزم ہیں۔ اللہ کی محبت میں قدماء صوفیاء کا کلام، اللہ کی محبت کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس کے رسولؐ کا اتباع کیا جائے۔ حضرت سیدنا علیؑ علیہ السلام کا اتباع باطنا و ظاہرا اللہ کی محبت کو پیدا کرتا ہے۔ وغیرہ امور پر بہت طویل کلام کیا ہے، پورا رسالہ دیکھنے کے قابل ہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے بھی الوابل الصیب من العلم الطیب ص ۶۹ میں جی ملزم صوفیاء کے احوال اور ان کے اذکار و اوراد کے بارے میں ہے اس میں شیخ کیلئے یہ شرط بتائی ہیں کہ جب کوئی شخص کسی سے مرید ہونا چاہے تو اس کو ہائے کہ دیکھے کہ وہ اہل ذکر میں سے ہو، اہل غفلت میں سے نہ ہو اور یہ کہ

وہ متبع سنت ہو، متبع ہوا نہ ہو اور اپنے امور میں محتاط ہو۔ اگر ایسا شیخ مل جائے تو اس کے رکاب کو مضبوط کیڑ لے اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا معمول نقل کیا ہے (ص ۱۰۰) کہ شیخ کے پاس ایک دفعہ میں حاضر ہوا انہوں نے فجر کی نماز پڑھی اور اسی جگہ بیٹھ کر زوال کے قریب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہے اور مجھ سے فرمایا کہ یہ ذکر میرا صبح کا کھانا ہے۔ اگر میں صبح کا یہ کھانا ذکر نہ کھاؤں تو میری قوت ختم ہو جائے اور میں ذکر صرف اس وجہ سے چھوڑتا ہوں تاکہ نفس کو آرام دیکر دوسرے ذکر کیلئے تیار کروں۔

حافظ ابن قیم نے ایک کتاب ”مناہج السالکین“ تصوف ہی میں لکھی ہے جو شیخ ابو اسماعیل عبداللہ ہروی جبل سونی متوفی ۷۸۵ھ کی تصوف کی مشہور کتاب ”منازل السائرین“ کی شرح ہے اسمیں ساری تصوف ہی کی بحثیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”آدمی کی بندگی دل اور زبان اور بقیہ اعضاء پر منقسم ہے، واجبات قلب اخلاص توکل، محبت، صبر، انابت خوف، رجاء تصدیق جازم، نیت صدق ہیں۔ اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ اعمال قلبیہ واجب ہیں۔ اس کے بعد مختلف فیہ واجبات کو ذکر کیا ہے جس میں رضا بالقضاء اور نماز کا شروع ہر اگر خشوع فوت ہو جائے تو نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں اس کے محرمات کا ذکر کیا ہے کہ محرمات دو قسم کی ہیں، ایک کفر، ایک معصیت کفر جیسے شک، نفاق، شرک وغیرہ اور معصیت کی بھی دو قسمیں ہیں، کبائر اور صغائر۔ کبائر جیسے ریاء، عجب، کبر، فخر، خیل، ناامیدی، اللہ کے نکر سے بے خوف ہونا۔ مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے سے خوش ہونا اور ان کی معصیت پر مسرت کا اظہار کرنا اور اس کو پسند کرنا کہ مسلمانوں میں فواحش پھیلیں اور

مسلمانوں پر حسد کرنا اور ان جیسے امور جو زنا، شرب خمر وغیرہ کبار ظاہر ہے بھی بہت زیادہ سخت ہیں اور ان امور کو چھوڑے اور توبہ کیے بغیر قلب کی صفائی نہیں ہو سکتی۔ اگر صفائی نہ کی گئی تو قلب فاسد ہو جائے گا اور جب قلب فاسد ہو جائے گا تو بدن بھی فاسد ہو جائے گا۔ قلب کی اصلاح جماع سے مقدم ہے۔ اگر قلب کی اصلاح کو نظر انداز کر دیا گیا تو قلب ان کے اضداد سے بھر جائے گا۔ اخیر تک بہت مفصل کلام ہے۔ اور ان ہی چیزوں کی اصلاح کیلئے مشائخ تصوف سائے ریاضات و مجاہدات کرتے ہیں۔

حضرت قطب الارشاد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد مولانا میرٹھی نے حضرت کی سوانح تذکرۃ الرشید جلد دوم ص ۱۸۱ میں لکھا ہے کہ:-

حضرت قطب الارشاد گنگوہی قدس سرہ کا اپنے دست مبارک کا لکھا ہوا پرچہ ملا جو آپ نے اوائل عمر میں معلوم نہیں کس مقصد سے لکھا تھا۔

”علم الصوفیہ علما الدین ظاہراً و باطناً و قسوة

الیقین و هو العلم الاعلیٰ۔ حالہما اصلاح الاخلاق

و دوام الافتقاد إلى الله تعالى حقیقة التصوف

التخلق باخلاق الله تعالى و سلب الارادة و كون

العبد فی رضا الله تعالى۔ اخلاق الصوفیة ما

هو خلقه عليه الصلوة والسلام بقوله اَتَقَكَّ

لَعَلَّیْ خُلُقٍ عَظِیْمٍ و ما ورد به الحدیث و تفصیل

اخلاقهم هكذا (۱) التواضع ضده الكبر

(۲) المداراة و احتمال الاذى عن الخلق (۳) المعاملة

برق و خلق حسن و ترک غضب غیظ (۳) المواساة
والایثار بفرط الشفقة علی الخلق وهو تقدیم حقوق
الخلق علی حظوظه (۵) السخاوة (۶) التجاوز
(۷) العفو وطلاقة الوجه والبشرة (۸) السهولة
ولین الجانب (۹) ترك التعسف والتكلف
(۱۰) انفاق بلا اقتار و ترك الاحخار (۱۱) التوکل
(۱۲) القناعة بيسير من الدنيا (۱۳) الورع (۱۴) ترك
المراء والجدال والعتب الآبیح (۱۵) ترك الغل
والحقد والحسد (۱۶) ترك المال والجاه
(۱۷) وفاء الوعد (۱۸) الحلم (۱۹) الاناءة (۲۰) التواد
والتوافق مع الاخوان والعزلة عن الاغیاء (۲۱) شکر
المنعم (۲۲) بذل الجاه للمسلمین -

الصوفی یهذب الظاهر والباطن فی
الاخلاق والتصرف ادب کله - ادب الحضرة
الالهیه الاعراض عن سواہ حیات واجلالا و هیبة -
اسوء المعاصی حدیث النفس وسبب الظلمة :-
ترجمہ مولانا میرٹھی نے لکھا ہے :-

”صوفیا کا علم نام ہے ظاہر و باطن، علم دین و قوت
یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے۔ صوفیا کی حالت اخلاق کا سنوارنا
اور ہمیشہ خدا کی طرف ٹوٹ کائے رکھنا ہے۔ تصوف کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا
اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔
صوفیا کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا خلق ہے۔ حسب فرمان خداوند تعالیٰ کہ ”بے شک تم بڑے
خلق پر (پیدا کئے گئے) ہو“ اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے
اُس پر عمل اخلاق صوفیا میں داخل ہے۔ صوفیا کے اخلاق
کی تفصیل اس طرح ہے :-

(۱) اپنے آپ کو کمتر سمجھنا اور اس کی ضد ہے تکبر (۲) مخلوق
کے ساتھ ملطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت
کرنا (۳) نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غیظ و غضب کا
چھوڑ دینا (۴) ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا خلق پر
فرط شفقت کے ساتھ جس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کے حقوق
کو اپنے حظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے (۵) سخاوت کرنا۔
(۶) درگزر اور خطا کا معاف کرنا (۷) خندہ روئی اور نباشت
جسم (۸) سہولت اور نرم پہلو رکھنا (۹) تصنع اور تکلف کو
چھوڑ دینا (۱۰) خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ
احتیاج لاحق ہو (۱۱) خدا پر بھروسہ رکھنا (۱۲) تھوڑی سی
دنیا پر قناعت کرنا (۱۳) پرہیزگاری (۱۴) جنگ جہل اور
عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ (۱۵) بغض و کینہ اور حسد نہ رکھنا۔
(۱۶) عزت و جاہ کا خواہشمند نہ ہونا (۱۷) وعدہ پورا کرنا۔

(۱۸) بُرْداری (۱۹) دورانہ نشی (۲۰) بھائیوں کے ساتھ موافقت
و محبت رکھنا اور اغیار سے علیحدہ رہنا (۲۱) محسن کی شکرگزاری
(۲۲) اور جاہ کا مسلمانوں کیلئے خرچ کرنا۔

صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنا لیتا ہے اور تصوف سارا
ادب ہی کا نام ہے۔ بارگاہِ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ سے منہ پھیر لیا
جلئے۔ شرم کے مارے حق تعالیٰ کے اجلال اور ہیبت کے سبب، بدترین معصیت
ہے تحدیثِ نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا اور ظلمت کا سبب ہے۔
انہی کلام قطب الارشاد مع الترجمہ۔

بیعت

صوفیاء کی بہت سی چیزوں پر لوگوں کو اعتراض ہے۔ حالانکہ بیعت
صوفیاء کے یہاں لازم نہیں جیسا کہ میں آگے بیان کروں گا، مگر اس کا ثبوت
قرآن و حدیث سے ہے۔ قرآن پاک میں سورہ ممتحنہ میں ہے یَا أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا
جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ مِمَّا بَيْنَكَ الآية۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: اے پیغمبر!
(صلی اللہ علیہ وسلم) جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آئیں کہ آپ ان باتوں
پر بیعت کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری
کریں گی، اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی۔ اور نہ کوئی ہتک
کی اولاد لاویں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان بنالویوں اور
مشرع باتوں میں آپ کے خلاف نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے اور
ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے، بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔
(بیان القرآن)

اس کے حاشیہ پر حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ آیت
بیعت کی غرض میں صریح ہے اور اس سے بیعت رسمی کا جس میں عمل کا اہتمام
نہ ہو ابطال لازم آتا ہے۔ بخاری شریف میں کتاب الایمان میں حضرت عباد
بن الصامت کی روایت ہے:-

عن عبادة بن الصامت مرضی اللہ عنہ۔ وکان
شہد بدناً وهو احد النقباء ليلة العقبة الت

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَحَوْلَهُ عَضًا
 مِنْ أَصْحَابِهِ بَايَعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا
 وَلَا تُسْرِقُوا وَلَا تُزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوا
 بِبَهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَقْصُوا
 فِي مَعْرُوفٍ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَاجْزِهِ عَلَى اللَّهِ وَمَنْ
 أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ
 كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ
 سَتَرَهُ اللَّهُ فَهُوَ إِلَى اللَّهِ انْشَاءُ عَفَاغُهُ وَالْإِنْشَاءُ
 عَاقِبَةُ فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذَلِكَ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو غزوہ بدر
 میں بھی شریک تھے اور لیلۃ العقیبہ کے نقباء میں سے ایک تھے
 ان سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
 فرمایا اور آپ کے چاروں طرف صحابہ کی ایک جماعت تھی، اؤ
 مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو
 شریک نہ کرو گے اور نہ چوری کرو گے، نہ زنا کرو گے اور نہ اپنی
 اولاد کو قتل کرو گے اور نہ کسی پر بہتان باندھو گے اور مشروع
 باتوں میں خلاف نہ کرو گے جو اس عہد کو پورا کرے اُس کا اجر
 اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اور جو ان چیزوں میں سے کسی کام تکب ہوگا
 اور اُس کی سزا اُس کو دنیا میں مل گئی تو یہ سزا اُس کیلئے کفارہ
 ہوگی اور اگر اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں سزائی کی تو آخرت میں اللہ

جل شانہ چاہے اُس کو سزا دی جائے معاف کریں یہ اللہ تعالیٰ
 کی مشیت پر ہے۔ حضرت عبادہ فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے ان باتوں
 پر آپ سے بیعت کی۔

یہ بیعت نہ بیعت اسلام ہے نہ بیعت جہاد ہے، وہی بیعت صوفیاء
 ہے جو امور اسلام پر تاکید کے واسطے کی گئی۔
 حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے القول الجمیل میں بیعت کی حقیقت
 پر مفصل کلام کیا ہے جس کا ترجمہ شفا العلیل میں ہے۔ :-

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا
 يُبَايِعُونَ اللَّهَ... الآية۔ حق تعالیٰ نے فرمایا مقرر جو لوگ بیعت
 کرتے ہیں تجھ سے لے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، وہ اللہ تعالیٰ سے
 بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ سو
 جو عہد شکنی کرتا ہے تو اپنی ذات کی مضرت پر عہد توڑتا ہے۔ اور
 جس نے پورا کیا اس کو جس پر اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا سو
 عنقریب ان کو اجر عظیم عنایت کریگا۔

اور احادیث مشہورہ میں منقول ہوا ہے رَسُولُ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے کہ لوگ بیعت کرتے تھے آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی ہجرت اور جہاد پر۔ اور کبھی اقامت
 ارکان اسلام یعنی صوم، صلوة، حج، زکوٰۃ پر۔ اور کبھی ثبات
 اور قرار پر معرکہ کفار میں جیسا کہ بیعت الرضوان اور کبھی سنت
 نبوی کے تمسک پر۔ اور بدعت سے بچنے پر اور عبادات کے

عریض اور شائق ہونے پر۔ چنانچہ بروایت صحیح ثابت ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی انصاریوں کی عورتوں سے فوج نہ کرنے پر۔ اور ابن ماجہ نے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند محتاج مہاجرین سے بیعت لی اس پر کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کریں۔ سوان میں سے کسی شخص کا یہ حال تھا کہ اس کا کوڑا اگر گر جاتا تھا تو خود ہی اپنے گھوڑے سے اتر کر اس کو اٹھا لیتا تھا اور کسی سے کوڑا اٹھا پیے کا بھی سوال نہ کرتا تھا۔ اور جس میں کوئی شک شبہ نہیں وہ شہ ہے کہ جب ثابت ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی فعل بطریق عبادت اور اہتمام کے نہ برسبیل عادت تو وہ فعل سنت دینی ہے کتر تو نہیں..... تو ہم کو چاہیے کہ بیعت کی گفتگو کریں کہ وہ کونسی قسم میں سے ہے۔ سو بعض لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ بیعت منحصر ہے قبول خلافت اور سلطنت پر اور وہ جو صوفیوں کی عادت ہے باہم اہل تصوف سے بیعت لینے کی وہ شرعاً کچھ نہیں۔ اور یہ گمان فاسد ہے بدلیل اس کے جو ہم مذکور کر چکے کہ مقرر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے بیعت لینے تھے اقامت ارکان اسلام پر اور گاہے تمسک بالسنت پر اور صحیح بخاری گواہی دے رہی ہے اس پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جریر رضی اللہ عنہ پر شطکی اُن کی بیعت کے وقت سو فرمایا کہ خیر خواہی لازم ہے ہر مسلمان کے واسطے اور حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی قوم انصار سے سو یہ شرط کر لی نہ ڈریں امر خدا میں کسی ملامت گر کی ملامت سے اور حق ہی بات بولیں جہاں ہوں، سوان میں سے بعض لوگ امر اہل سلاطین پر کھل کر بلا خوف رد و انکار کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی عورتوں سے بیعت لی اور شرط کر لی کہ فوج نہ کرنے سے پرہیز کریں۔ ان کے سوا بہت امور میں بیعت ثابت ہے اور وہ امور از قسم تزکیہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہیں۔

سلاطین کے زمانہ میں یہ بیعت کا سلسلہ اس واسطے بند ہو گیا کہ اس سے بیعت خلافت سے استقباب ہو کر فتنہ پیدا نہ ہو اُس زمانہ میں اہل تصوف نے فرقہ دینا قائم مقام بیعت کر نیکی کر لیا تھا۔ پھر ایک زمانہ بعد جب بادشاہوں میں بیعت خلافت کا سلسلہ متروک ہو گیا تو صوفیاء نے فرصت کو فہیت سمجھ کر بیعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ فقط

اس کے بعد شاہ صاحب نے مستقل فصل باذی ہے کہ بیعت واجبہ یا سنت، اور تحریر فرمایا ہے کہ بیعت سنت ہے اس لئے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا اور کوئی دلیل اس پر نہیں ہے کہ بیعت نہ کرنے والا گنہگار ہو گا۔ اور نہ ہی اللہ میں سے کسی نے تارک بیعت پر نکیر کی۔

شاہ ولی اللہ صاحب قول جمیل ص ۱۹ پر تحریر فرماتے ہیں ”بیعت جو صوفیوں

میں متواتر ہے وہ کئی طریق پر ہے۔ پہلا طریقہ بیعتِ توبہ ہے معاصی سے اور دوسرے طریقہ پر بیعتِ تبرک ہے۔ یعنی بقصد برکت صالحین کے سلسلہ میں داخل ہونا بمنزل سلسلہ اسنادِ حدیث ہے کہ اس میں البتہ برکت ہے اور تیسرا طریقہ بیعتِ تاکد عریضہ یعنی عزمِ مصمم کرنا واسطے خلوص امرِ الہی اور ترکِ منافی کے ظاہر اور باطن سے اور تخلیقِ دل کی اللہ جل شانہ سے اور یہی تیسرا طریقہ اصل ہے اور پہلے دونوں قسم کے طریقوں میں بیعت کرنا عمدہ ہے۔ ترکِ کبائر سے اور نہ آرٹھانا صغائر پر اور طاعاتِ مذکورہ کو اختیار کرنا از قسم واجبات اور مذکورہ سنتوں کی اور عمدہ شکنی عبارت ہے خلل ڈالنے سے اس میں جن کو ہم نے مذکور کیا یعنی ارتکابِ کبائر اور اصرار علی الصغائر اور طاعات پر مستعد نہ ہونا عمدہ شکنی ہے اور تیسرے طریقہ میں پورا کرنا بیعت کا عبارت ہے مدام ثابت رہنے سے اس ہجرت اور مجاہدہ اور ریاضت پر یہاں تک کہ روشن ہو جائے اطمینان کے نویسے اور یہ اس کی عادت اور خو اور حبس جلی ہو جائے بلا تکلف تو اس حالت کے نزدیک گناہے اس کو اجازت دی جاتی ہے اس میں جس میں شرع نے مباح کیا ہے از قسم لذات کے اور مشغول ہونے کے بعضے ان کاموں میں جن میں طول مدت کی طرف حاجت ہو جاتی ہے جیسے درس کرنا علومِ دینی کا اور قضا اور بیعت شکنی عبارت ہے اس کی خلل اندازی سے قبل از نورانیت دل کے“

التکشف میں حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے :-

عن عوف بن مالک الاشجعی قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسعة اثمانیة اوسبعة فقال

الاتبایعون رسول اللہ فسطنا ایدینا وقلنا اعلام نبایک یا رسول اللہ قال علی ان تعبدوا اللہ ولا تشركوا به شیئاً وتصلوا الصلوات الخمس وتسمعوا واطيعوا واسرکلمة خفیة قال ولا تسئلوا الناس شیئاً فلقد رأیت بعض اولئک النفر یسقط سوط احدہم فما یسأل احد اینا وله ایاه اخوجه مسلم و اودود والنسائی۔

”حضرت عوف بن مالک اشجعیؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے! ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔ اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا کہ ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سنو اور مانو۔ اور ایک بات آہستہ فرمائی وہ یہ کہ لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان حضرات میں سے بعض کی یہ حالت دیکھی ہے کہ اتفاقاً چاکہ گر پڑا تو وہ بھی کسی سے نہیں مانگا کہ اٹھا کر ان کو دیدے۔“

فائدہ: حضراتِ صوفیاء کرام میں جو بیعت معمول ہے جس کا حاصل معاہدہ ہے التزامِ احکامِ دہم تمام اعمالِ ظاہری و باطنی کا جس کو ان کے

عرف میں بیعت طریقت کہتے ہیں۔ بعض اہل ظاہر اس کو اس بنا پر عبت کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں، صرف کافروں کو بیعت اسلام اور مسلمانوں کو بیعت جہاد کرنا معمول تھا۔ مگر اس حدیث میں اس کا صریح اثبات موجود ہے کہ یہ صحابہ کرام ہیں اس لئے یہ بیعت اسلام یقیناً نہیں کہ تحصیل حاصل لازم آتی ہے اور مضمون سے ظاہر ہے کہ بیعت جہاد بھی نہیں بلکہ بدالالت الفاظ معلوم ہے کہ التزام و اہتمام اعمال کے لئے ہے۔ پس مقصود ثابت ہو گیا۔

اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ مریدین کو خلوت میں خفیہ تعلیم فرماتے ہیں کبھی تو یہ سبب ہوتا ہے کہ وہ امر عام فہم نہیں ہوتا اس کے اظہار میں افتان و اضلال عوام کا ہے اور کبھی یہ وجہ ہوتی ہے کہ خفیہ تعلیم دلیل خصوصیت اہتمام ہے اس میں طالب دل میں زیادہ وقعت اور منزلت ہوتی ہے۔ اور یہ بھی نفع ہے کہ دوسرے طالبین اس کو سن کر حرص و تقلید نہ کریں جن کی حالت کے مناسب دوسری تعلیم ہے۔ سو اس حدیث میں اس عادت کی اصل پائی جاتی ہے۔ نیز اکثر مریدین کا مقتضائے طبیعت ہوتا ہے کہ مرشد کے احکام ماننے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ رعایت معنی کے ساتھ مدلول ظاہر الفاظ تک کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ مراد منع کرنا تھا دوسرے کی چیز مانگنے سے، نہ کہ اپنی چیز بطور استعانت مانگنے سے۔ مگر چونکہ لفظی نفسہ اس کو محتمل تھا کہ وہ احتمال قرآن کی وجہ سے یقیناً منفی ہے اس احتمال لفظی کی رعایت سے اپنی چیز مانگنے کی بھی احتیاط رکھے جیسا دوسری حدیث میں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے

اثنائے خطبہ میں فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ ایک صحابی دروازہ سے آئے تھے، سن کر وہاں ہی بیٹھ گئے۔ حالانکہ مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ اندر آکر موقع پر بیٹھ جاؤ کھڑے مت رہو، نہ یہ کہ آؤ بھی مت۔

یہ شعبہ ہے غایت احترام و تادب شیخ کا جو کہ استفادہ باطنی کیلئے شرط عظم ہے۔ اس کے بعد حضرت تھانویؒ نے حضرت عبادہؒ کی حدیث نقل کی ہے جو پہلے گزر چکی۔ اس کے فوائد میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ جن لوگوں کو آپؐ نے بیعت کا امر فرمایا وہ صحابہؓ تھے جس سے ثابت ہوا کہ علاوہ بیعت اسلام و جہاد کے ترکِ معاصی و التزام طاعات کیلئے بھی بیعت ہوتی تھی، یہی بیعت طریقت ہے جو صوفیاء میں معمول ہے۔ پس اس کا انکار ناواقفی ہے۔ فقط۔ از زکریا عفی عنہ۔ ان دونوں حدیثوں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی کہ اگر شیخ بعض خصوصیات کی وجہ سے کسی مرید سے کہے کہ مجھ سے بیعت ہو جا تو اسمیں کوئی مبالغہ نہیں کہ ان دونوں حدیثوں سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ میرے عزیز ابتداء و مکرم و محترم انتہاء مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ نے حیاۃ الصحابہؓ میں باب البیعت میں بہت تفصیلی روایات جمع کی ہیں اور بیعت الاسلام، بیعت الجہاد وغیرہ کے ابواب کثرت سے قائم کئے ہیں وہاں ایک مستقل عنوان ”البیعت علی اعمال الاسلام“ کا بھی قائم کیا ہے۔ یہ روایت اور ان کی تحریکات اور اسانید تو بہت لمبی ہیں چند مختصر روایات کی طرف اشارہ کرتا ہوں جس کو تفصیل دیکھنی ہوں وہ اصل حیات الصحابہؓ سے پوری روایات اور تحریکات دیکھ لے۔

(۱) بشیر بن خصاصیہؓ کہتے ہیں کہ میں بیعت کیلئے حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے پوچھا کہ آپ کن امور پر مجھ سے بیعت لیتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک (بیعت کرنے کے واسطے) پھیلانے اور فرمایا کہ تو گواہی دے اس بات کی کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ اور پانچوں نمازیں اپنے اپنے اوقات پر پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور حج کرے اور اللہ قتلے کے راستہ میں جہاد کرے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! سب باتوں کی مجھے طاقت ہے مگر دو چیزوں کی طاقت نہیں۔ ایک زکوٰۃ کی کہ میرے پاس صرف دس اونٹ ہیں وہی میرے اہل و عیال کے دودھ کیلئے اور سواری کیلئے ہیں۔ اور جہاد کی بھی طاقت نہیں کیونکہ میں کمزور دل ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ جو جہاد سے بھاگے تو اللہ تعالیٰ کے غصہ کا سبب بنے۔ مجھے ڈر ہے کہ میں جہاد میں شریک ہوں اور کسی وقت موت کے ڈر سے بھاگ جاؤں تو اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو بھینچ لیا اور حرکت دیکر فرمایا کہ اولیٰ شہداء! جب نہ زکوٰۃ ہوگی نہ جہاد ہوگا پھر جنت میں کیسے جائے گا۔ تو میں نے عرض کیا کہ اچھا اپنے ہاتھ پھیلائے میں بیعت کرتا ہوں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک پھیلائے اور میں نے ان تمام امور بالا پر بیعت کی۔

(۲) حضرت جریرؓ کی روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر بیعت کی اور اس بات پر کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جریر! اپنے ہاتھ پھیلا، تو میں نے عرض کیا کہ کس بات کیلئے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس واسطے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا تابعدار بنائے۔ اور ہر مسلمان کیلئے خیر خواہی کر۔ اس کو انہوں نے بہت غور سے سنا۔ اور آدمی بہت سمجھدار تھے اس لئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جہاں تک مجھے طاقت ہے، تو اس کے بعد حضرت جریرؓ کا یہ کتنا لوگوں کیلئے رخصت کا سبب ہو گیا۔

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہے کوئی جو مجھ سے بیعت کرے تو حضرت ثوبانؓ نے عرض کیا کہ ہمیں بیعت فرما لیجئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر بیعت لی کہ کسی سے کوئی سوال نہیں کریگا تو حضرت ثوبانؓ نے عرض کیا اس کو کیا ملے گا، تو آپ نے فرمایا جنت! تو حضرت ثوبانؓ نے بیعت کی۔ ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ مکہ میں میں نے ان کو بڑے مجمع میں دیکھا کہ ان کا چاہنگر جاتا تھا اور بعض دفعہ وہ کسی شخص کے کندھے پر گر جاتا اور وہ آدمی اٹھا کر کپڑا تو وہ نہیں لیتے تھے یہاں تک کہ خود سواری سے اتر کر لیتے تھے۔

حضرت ابوذرؓ کی حدیث کے بہت سے الفاظ بہت سی سندوں سے نقل کئے گئے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ دفعہ مجھ سے اس پر بیعت لی کہ میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے ڈروں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ چھ دن انتظار کر اور ساتویں دن تجھ سے ایک بات کہوں گا اے اچھی طرح سمجھ لیجئے، ساتویں دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اولاً تجھے بیعت

کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی، تنہائی میں بھی اور مجمع میں بھی، خلوت میں بھی جلوت میں بھی۔ اور جب کوئی بُرائی ہو جائے تو اس کے بعد فوراً کوئی اچھا کام کر لیا کر، اور کسی سے سوال نہ کر، چاہے تیرا کوڑا ہی گر جائے، اور کسی کی امانت نہ رکھنا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مروجہ مجاہدات کی ضرورت نہیں تھی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہی درجہ احسان تک پہنچانے کیلئے بہت کافی تھی۔ مشائخ متقدمین اور متاخرین کی کتابوں میں کثرت سے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہی مرتبہ احسان تک پہنچانے کیلئے بالکل کافی تھی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور فورانیت سے بُد ہو گیا ظلمات کا اثر قلوب میں آتا رہا۔ حضرت انسؓ کا قول مشکوٰۃ ص ۵۴۷ میں بروایت ترمذی نقل کیا ہے کہ جس دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تھے مدینہ کی ہر چیز روشن ہو گئی تھی۔ اور جس دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا اور ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد قبر اطہر پر مٹی ڈال کر ہاتھ بھی نہیں جھائے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب کی فورانیت میں فرق پایا، یعنی ہمارے قلوب میں وہ صفائی اور فورانیت نہ رہی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ کے وقت محسوس ہوتی تھی۔ حضرت حنظلہؓ کی روایت ہے کہ میں گھر سے نکلا تو حضرت ابو بکرؓ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہ حنظلہ کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ کہنے لگے سبحان اللہ کیا کہہ رہے ہو! میں نے کہا

کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہوتے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جنت دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو دونوں چیزیں گویا ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے نکلنے ہیں اور بیوی بچوں، کاروبار میں گھل مل جاتے ہیں تو بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے سن کر فرمایا کہ خدا کی قسم یہ حالت تو میری بھی ہے، تو میں اور حضرت ابو بکرؓ دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ حفظہ تو منافق ہو گیا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا کہا۔ تو میں نے اُدپر والی ساری بات دہرائی، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم ہر وقت اس حال پر رہو جس حال میں میرے پاس جوتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو تو ملائکہ تم سے تمھارے بستروں پر اور تمھارے راستوں میں مصافحہ کیا کریں، لیکن اے حفظہ لگائے گئے تین دفعہ ارشاد فرمایا، یعنی آدمی ہمیشہ ایک ہی حالت پر نہیں رہتا حضور کی کیفیت کبھی کبھی حاصل ہوتی ہے۔ یہی حال مشائخ کا ہے کہ ان کی موجودگی میں جو کیفیات و حالات ان کے مریدین و متوسلین کے جوتے ہیں وہ غیبت میں نہیں رہا کرتے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد میں لفظ ”ذکر“ سے اطمینان ہوگی کہ مجالس ذکر اور ذکر کی کثرت میں بھی حضور یعنی مرتبہ احسان حاصل رہتا ہے اور ذکر کی کثرت شیخ کی مجلس میں حاضر ہونے کا بھی بدل ہے۔

(مشکوٰۃ بروایت سلم ۱۹۸)

الکشف ص ۶۳ میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاریؓ اپنے ایک باغ میں

نماز پڑھ رہے تھے، اتنے میں ایک دُہسی (کہ ایک پرندہ یا جنگلی کبوتر ہے) اڑا اور وہ چاروں طرف پھرنے لگا، نکلنے کا راستہ ڈھونڈا تھا اور راستہ نہ ملتا تھا، تو ابو طلحہؓ کو یہ امر خوشنما معلوم ہوا کہ میرا باغ ایسا گنجان ہے کہ پرندہ کو نکلنے میں تکلف ہوتا ہے، اور تھوڑی دیر تک ان کی نگاہ اس کے ساتھ ساتھ رہی، پھر اپنی نماز کی طرف متوجہ ہو گئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ یہ یاد نہیں رہا کہ کتنی نماز پڑھی۔ اپنے دل میں کہا کہ میرے اس مال کے سبب تو مجھ کو بڑا فتنہ پہنچا (کہ نماز میں قلب حاضر نہ رہا) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا جو نماز میں ان کو پیش آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ باغ فی سبیل اللہ ہے جہاں چاہیں صرف فرمائیے۔ روایت کیا اس کو امام مالکؒ نے۔

فائدہ (۱)۔ (عادة مراقبہ قلب) صوفیاء کو رام کے اعمال میں سے ہے کہ ہر وقت قلب کی دیکھ بھال رکھتے ہیں کہ اس وقت کیا حالت ہے، جب تغیر پاتے ہیں اس کی تلافی کرتے ہیں۔ ان صحابی کے فعل سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو جائز رکھنے سے اس کی محمودیت ظاہر ہے۔ کیونکہ ان کا یہ متنبہ اثر اس مراقبہ کا ہے۔

فائدہ (۲)۔ (حال غیرۃ) حق تعالیٰ سے غافل کر نیوالی چیز سے نفرت ہو جانا یہ ایک حال محمود ہے جس کو غیرت کہتے ہیں۔ اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

فائدہ (۳)۔ (تعلیم اخراج شئی مشاغل عن الحیۃ از ملک یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے اُس کو اپنی ملک سے نکال دینا) اکثر بزرگوں

کی ایسی حکایتیں مشہور ہیں کہ طالب کے قلب کو جس چیز سے زیادہ وابستہ دیکھا اس کے مجدا کر دینے کا حکم فرما دیا۔ اس معاملہ کی اصل اس حدیث سے نکلتی ہے کہ ان صحابی نے یہ علاج تجویز کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا جس کو اصطلاح میں تقریر کہتے ہیں۔ (انتہی مافیہ کشف)
موطا میں اسی قسم کا ایک قصہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ کا ایک انصاری کا بھی ذکر کیا ہے کہ ایک انصاری صحابی اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کعبوروں کا زمانہ تھا اور کجوری خوب لدرہ تھیں، اس باغ پر نظر پڑی اور بہت اچھا لگا (دل اس میں مشغول ہوا) پھر نماز کی طرف توجہ ہوئی تو یہ پتہ نہ چلا کہ کتنی رکعت پڑھی، تو کہنے لگے کہ مجھے اس باغ سے فتنہ پہنچا تو حضرت امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے یہ سارا قصہ نقل کیا اور عرض کیا کہ یہ میرا باغ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ ہے جہاں چاہیں اس کو خرچ کر دیجئے تو حضرت عثمانؓ نے اس باغ کو پچاس ہزار میں فروخت کر دیا اور اس باغ کا نام خمستین ہو گیا (جس کا ترجمہ بچاؤ ہے) اور حضرت عثمانؓ نے اُس کو بیچ کر صدقہ کر دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات اس قسم کے بیسیوں نہیں سیکڑوں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بلا مجاہدات و ریاضات ہی مرتبہ احسان حاصل ہو جاتا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے موطا کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ واقعات اسی نسبت کے آثار ہیں جو قلب میں پکیدا ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ہر چیز پر مقدم کرتے تھے اور اس کے ماسوا میں بڑی غیرت محسوس کرتے تھے۔ علامہ ابوالولید باجی کہتے ہیں کہ

صحابہ کرامؓ میں ایسے واقعات جو نماز میں دوسری طرف مشغول کر دیں بہت کم پیش آتے تھے، اور جب پیش آتے تھے تو ان پر بہت بار ہوتا تھا۔ پھر جمعیوں کا کیا حال ہو گا جن کو کثرت سے اس قسم کے واقعات (وساوس) پیش آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں کو معاف کرے۔ (ادھر ص ۳۱۴)

اس ناما کہ کے رسالہ حکایات صحابہؓ کے پانچویں باب میں ان حضرات کے نماز میں شغولی و انہماک کے بہت سے واقعات لکھے ہیں جس میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (جو صنار صحابہؓ میں ہیں) نماز پڑھ رہے تھے اور ان کا ایک بیٹا ہاشم نام پاس سو رہا تھا، چھت میں سے ایک سانپ گرا اور پتھر پر لپٹ گیا، وہ چلایا، گھر کے سب لوگ دوڑے ہوئے آئے، شور مچ گیا، سانپ کو مارا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اسی اطمینان سے نماز پڑھتے رہے۔ سلام پھیر کر فرمانے لگے کہ کچھ شور کی سی آواز آئی تھی کیا تھا؟ بیوی نے کہا اللہ تم پر رحم فرمائے بچہ کی توجان ہی گئی تھی تمہیں پتہ ہی نہ چلا! فرمانے لگے تیرا ناس ہوا اگر نماز میں دوسری طرف توجہ کرتا تو نماز کہاں باقی رہتی۔

حکایات صحابہؓ میں بہت سے واقعات اس نوع کے ذکر کئے گئے ہیں، ان حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مجاہدات اور ریاضات کی کیا ضرورت بھی جو "ان تعبد اللہ کأنک تراء" کے مقام پر فائز تھے۔

عزیز محترم مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے حیاہ صحابہؓ میں بھی باب "حقیقت الایمان" میں صحابہ کرامؓ کے بہت سے واقعات ذکر کئے ہیں جس کا پہلا واقعہ حضرت حارث ابن مالک کا نقل کیا ہے کہ وہ مسجد میں سوئے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پاؤں مبارک سے اُن کو کمر

مجاہدات ریاضات صوفیہ

یہ پہلے گزر چکا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کی زیارت ہی مرتبہ احسان حاصل کرنے کیلئے کافی تھی جیسا کہ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد پہلے گزر چکا اور جناب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو بعد ہوتا گیا اتنا ہی نسبت احسان میں کمی آئی گئی اور اطباء، روحانی کو ان کے معالجات کیلئے روحانی دوائیں تجویز کرنی پڑیں۔

شفاء العلیل ترجمہ القول الجلیل میں ہے۔ مترجم کہتا ہے حضرت مصنف محقق نے کلام دل پذیر اور تحقیق عظیم النظیر سے شہادت ناقصین سے جبر کو اکھاڑ دیا، بعض نادان کہتے ہیں کہ قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشتغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعت سیل ہوئے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ اشتغال مقرر کئے ہیں وہ امر زمانہ رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے کو طریق اس کی تحصیل کے مختلف ہیں تو فی الواقع اولیائے طریقت، مجتہدین شریعت کے پابند ہوئے۔ مجتہدین شریعت نے استنباط احکام ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے اور اولیائے طریقت نے باطن شریعت کی تحصیل کی جس کو طریقت کہتے ہیں اور اس کے قواعد مقرر فرمائے تو یہاں بدعت سیل کا گمان سراسر غلط ہے۔ اہل یہ البتہ ضرور ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سبب صفائے طبیعت اور حضور خورشید رسالت کی تحصیل نسبت میں ایسے اشتغال

دی اور فرمایا کہ سر اٹھاؤ۔ انھوں نے سر اٹھا کر عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا ارشاد ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کس حال میں صبح کی؟ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس حال میں صبح کی کہ پتلا مومن ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر کچھ بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے اس کہنے کی کیا حقیقت ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے دنیائے مجھ پھیر لیا اور سائے دن پیا سا رہا (روزہ رکھا) اور ساری رات بیدار رہا اور گویا میں اپنے رب کے عرش کو دیکھ رہا ہوں اور گویا میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ جنت میں ایک دوسرے کی زیارت کر رہے ہیں، اور اہل نار کو دیکھ رہا ہوں جو ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے ہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو ایسا آدمی ہے جس کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے روشن کر دیا، تجھے معرفت حاصل ہو گئی، اس پر قائم رہ۔ (حیاء الصحابہ ص ۱۱)

کی حاجت نہ تھی۔ بخلاف متاخرین کے کہ ان کو بسبب بعد زمان رسالت کے البتہ اشغال مذکورہ کی حاجت ہوئی۔ جیسے صحابہ کرامؓ کو قرآن اور حدیث کے فہم میں قواعد صرف اور نحو کے دریافت کی حاجت نہ تھی اور اہل عجم اور اہل فعل عرب اس کے محتاج ہیں۔

اس کے حاشیہ پر جناب مولانا فواب قطب الدین خان دہلویؒ سے نقل کیا ہے کہ مثال اس کی ایسی ہے کہ جب تک آفتاب نکلا ہوا ہے ہر چیز بڑھ سکتی ہے آدمی اور جب آفتاب غروب ہو گیا تو حاجت روشنی کی پڑی پڑھنے کیلئے۔ پس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وقت میں آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا کچھ حاجت اشغال کی حضور مع اللہ کیلئے نہ تھی، فقط ایک نظر ڈالنے سے حال اکمال پر وہ کچھ حاصل ہوتا تھا کہ اب چلوں میں وہ نہیں حاصل ہوتا، اور اب چونکہ وہ آفتاب عالم تاب غروب ہوا، حاجت پڑی ان اشغال کی اس ملکہ حضورؐ کے حاصل کرنے کیلئے۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ والد مرشد قدس سرہ سے میں نے سنا کہ اپنے طویل خواب کو ذکر کرتے تھے جس میں حضرات حسین رضی اللہ عنہما اور سید الاولیاء علی مرتضیٰؑ کو دیکھا تو فرمایا کہ میں نے علی مرتضیٰؑ کو ام اللہ و جہ سے پوچھا اپنی نسبت سے کہ آیا یہ وہی نسبت ہے جو تم کو زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاصل تھی تو مجھ کو ام کیا نسبت میں استغراق کرنے کا اور خوب خوب تامل کیا پھر فرمایا یہ نسبت وہی ہے بلا فرق (اس واقعہ کو شاہ صاحبؒ نے درثمین ص ۶۶ پر بھی تحریر فرمایا ہے) پھر معلوم کرنا چاہیے کہ نسبت پر مداومت کرنیوالے کے حالات رفیع الثان نوبت نبوت ہوتے ہیں گا ہے کوئی اور

کبھی کوئی تو سالک ان حالات رفیعہ کو غنیمت جانے اور معلوم کرے کہ حالات مذکورہ طاعات کے قبول ہونے اور باطن نفس اور دل کے اندر اثر کرنے کی علامات ہیں منجملہ احوال رفیعہ کے مقدم رکھنا ہے طاعات الہی کا اس کے جمیع ماسوا پر او اس پر غیرت کرنا، سو البتہ امام مالکؒ نے مؤطا میں عبد اللہ بن ابی بکر سے نزول کی کہ ابو طلحہ انصاریؓ اپنے باغ میں نماز پڑھتے تھے (حضرت ابو طلحہؓ کا قصہ پہلے مفصل گزر چکا) آگے لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ جس کا اس آیت میں اشارہ ہے قَطِيفٌ مِّنْ حَاجَاتِ الْاَشْقَى وَالْاَعْنَانِ مشہور اور معلوم ہے۔ مترجم کتاب ہے قصہ مذکورہ مجملوں میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک بار گھوڑوں کے دیکھنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ آفتاب ڈور گیا نماز عصر قضا ہو گئی تو فرمایا کہ گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹی جاویں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل کمال کے نزدیک طاعت حق ہر امر پر مقدم ہوتی ہے اگر احیاناً کسی چیز کی مشغولی نے طاعت حق میں خلل ڈالا تو غیرت اہل کمال اس چیز کے دفع کرنے کو مقتضی ہوتی ہے۔ چنانچہ ابو طلحہؓ نے عمدہ باغ خیرات کر دیا اور حضرت سلیمانؑ نے گھوڑوں کو مرداؤ الا۔ بیان القرآن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں قَطِيفٌ مِّنْ حَاجَاتِ الْاَشْقَى وَالْاَعْنَانِ میں لکھا ہے کہ وہ قصہ ان کا قابل یاد کرنے کے ہے جبکہ شام کے وقت ان کے روپر وہیں اور عمدہ گھوڑے جو بغرض جہاد وغیرہ رکھے جاتے تھے پیش کئے گئے اور ان کے ملاحظہ کرنے میں اس قدر دیر ہو گئی کہ دن چھپ گیا اور کچھ معمول از قسم نماز فوت ہو گیا کذا فی الدرد المثلث عن علیؑ اور بوجہ ہیبت اور جلالت کے کسی خادم کی جرأت نہ ہوئی کہ مطلع او متنبہ کرے کذا فی الدرد عن ابن عباسؓ پھر جب وہی متنبہ ہوا تو کہنے لگے

کہ افسوس میں اس مال کی محبت میں لگ کر اپنے رب کی یاد سے یعنی نماز سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب پر وہ مغرب میں چھپ گیا اور پھر شرم و خدہم کو حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو ذرا بھر تو میرے سامنے لاؤ، چنانچہ لائے گئے، سو انہوں نے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ (کذا فی الدردر مرفوعاً بسند حسن) یعنی اُن کو ذبح کر ڈالا۔ اس کو اصطلاح تصوف میں غیرت کہتے ہیں کہ جو چیز سبب غفلت عن اللہ ہو جائے اس کو اپنے پاس نہ رہنے دیں۔

آگے شاہ صاحب فرماتے ہیں اور منجملہ حالات رفیعہ کے اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اس طرح پر کہ اس کا اثر بدن اور جوارح پر ظاہر ہوتا ہے۔ حفاظت حدیث نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات شخصوں کو حق تعالیٰ اپنے سایہ رحمت میں رکھے گا جن میں پانچواں شخص وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو خالی مکان میں یاد کیا پھر اس کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگیں، اور حدیث میں وارد ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک قبر پر کھڑے ہوئے تو اتنا رونے لگا کہ ڈاڑھی تر ہو گئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ جب تہجد کی نماز پڑھتے تھے تو سینہ مبارک سے جوش کی آواز آتی تھی دیگ کے جوش کرنے کی طرح یعنی رونے کی ایسی آواز آتی تھی سینہ مبارک سے جیسے ہانڈی سن سن بولتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا کہ حدیث میں وارد ہے کہ دو نوح میں نہ داخل ہو گا وہ مرد جو روایا اللہ تعالیٰ کے خوف سے یہاں تک کہ دودھ تھن میں واپس ہو جائے۔ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرد کثیر البکاء تھے، آنکھیں نہ نہمتی تھیں آنسوؤں سے جبکہ قرآن پڑھتے تھے۔

اور جبریل مطہر نے کہا کہ جب میں نے یہ آیت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سُنی اَمْ خَلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمْ الْخَالِفُونَ تو گویا میرا قلب اڑ گیا خوف سے۔

قدار اور تفریق کے بکثرت اقوال اس امر پر متفق ہیں کہ یہ ریاضات و مجاہدات مقصود نہیں، اصل مقصد درجہ احسان ہے اور اس کے حاصل کرنے کیلئے جس جس شخص میں جس جس مرض کا ظہور ہوتا رہا اُس کے مناسب علاج تجویز کرتے رہے اور ہر قوم کیلئے عادات، امراض مختلف ہوتے ہیں، اس کے مناسب مشائخ وقت علاج تجویز کرتے رہے جب بدعات کا شیوع زیادہ ہوا تو مشائخ نے بیعت کے وقت میں بدعات سے بچنے کا لفظ بھی بڑھا دیا، جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ بیعت میں کہیں سوال نہ کر نیکاً اضافہ فرما دیتے کہیں نوجہ نہ کر نیکاً اضافہ فرماتے۔

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اصحاب کے حالات کے اعتبار سے مختلف احکام ارشاد فرمائے۔ مشکوٰۃ ص ۱۱۱ میں حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اسلام میں کوئی ایسی جامع بات بتا دیجئے کہ پھر میں کسی سے نہ پوچھوں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَمَنْتُ بِاللّٰهِ کہہ اور اسی پر پکا رہ۔ (رداء مسلم) دوسری جگہ ص ۱۱۱ حضرت ابوامامہؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تیری نیکی تجھے خوش کرے اور تیری بُرائی تجھے رنجیدہ کرے تو تو مؤمن ہے۔ اور حضرت عمر بن عبد اللہؓ نے سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو فرمایا کہ الصَّبْرُ وَالسَّمَاخَةُ

(محشی نے سماحت کے مختلف معنی لکھے ہیں۔ واضح اور ظاہر معنی یہ ہیں کہ جو چیز نہ ہو اُس پر صبر اور جو چیز موجود ہو اُس کی سخاوت کرے) اسی حدیث میں ہے کہ اُنہوں نے پوچھا کہ افضل ایمان کیا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا اچھی عاتقین اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے یہی سوال کیا کہ افضل ایمان کیا ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کیلئے محبت کرو اور اللہ ہی کیلئے بغض رکھو اور اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رکھو۔

دوسری جگہ (ص ۱۹۸) عبد اللہ بن بسرؓ نے منقول ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ حضور! اسلام کے احکام تو بہت ہیں مجھے ایک بات بتا دیجئے جسے میں مضبوط پکڑ لوں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ترک نہ کرو۔ دوسری جگہ (ص ۲۳۳) حضرت ابو ہریرہؓ نے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھے کوئی وصیت کیجئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ غصہ مت کرنا، اُس نے بار بار یہی سوال کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار یہی جواب دیا۔ دوسری جگہ (ص ۲۴۵) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے کوئی مختصر سی نصیحت فرمائیجئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی نماز پڑھ جیسے یہی آخری نماز ہو، اور زبان سے ایسی بات نہ کہ جس پر پھر معذرت کرنی پڑے۔ اور جو کچھ دوسروں کے پاس ہو اُس پر اُمید مت باندھ۔

غرض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی روایات میں مختلف اشخاص کے احوال کے اعتبار سے اُن کے مناسب جواب دیئے گئے ہیں، اسی طرح مشائخ سلوک بھی ہر شخص کے اعتبار سے یا ہر جگہ کے اعتبار سے بیعت کرتے وقت

مختلف الفاظ کا اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

جن شہروں میں تعزیہ بنانے کا رواج ہے وہاں مشائخ سلوک نے تعزیہ بنانے سے بھی توبہ کا لفظ شامل کر دیا، علاج ظاہری میں بعض لوگوں کے مناسب گرم دوائیں ہوتی ہیں۔ بعض شہروں اور لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ٹھنڈی دوائیں مناسب ہوتی ہیں۔ ایک ہی مرض کے دو مریض آتے ہیں اور طبیب حاذق دوائی مختلف تجویز کرتا ہے اور غرض ایک ہی ہوتی ہے یعنی مریض کی صحت۔ اسی طرح سے یونانی ڈاکٹری ہومیوپیتھک وغیرہ کے علاج مختلف ہوتے ہیں اور مقصود سب کا ازالہ مرض ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح سے مشائخ سلوک میں چشتیہ، نقشبندیہ وغیرہ حضرات کے احوال مختلف ہیں کہ وہ اپنے تجربات کے موافق علاج تجویز کرتے ہیں۔ اور جبکہ یہ ریاضات مجاہدات سب کے سب امراض کے علاج ہیں تو یہ مطالبہ کرنا کہ فلاں طریق قرآن و حدیث سے کہاں ثابت ہے، ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی طبیب پوچھا جائے کہ گل بنفشہ زکام میں دینا کس حدیث سے ثابت ہے۔ ایسے ہی کسی ڈاکٹر سے پوچھا جائے کہ فسلین کومسی آیت سے ثابت ہے اور کونین کومسی حدیث سے ثابت ہے۔ جبکہ یہ سب ہو گا کہ یہ شخص بیمار ہے تو اس کے علاج کیلئے طبیب یا ڈاکٹر تجویز کرے گا اُس کا علاج ضروری ہو گا، بلکہ امراض ظاہریہ کی بعض صورتوں میں تو بعض علماء کے نزدیک ناخائز چیز کا استعمال بھی جائز ہے جب حاذق متدین طبیب یا ڈاکٹر کہدے کہ اس مرض کیلئے اس کے سوا کوئی علاج نہیں۔ بلکہ اگر لقمہ اُسکا ہوا ہو اور کوئی چیز پینے کی نہ ہو سوائے شراب کے تو اسی سے نکلنا واجب ہے۔ یہی حال بعینہ امراض روحانیہ کا ہے کہ ان امراض کیلئے روحانی اطباء جو دوائیں تجویز کریں اُس پر یہ سوال کہ قرآن و حدیث سے کہاں ثابت ہے حماقت نہیں تو ادا

کیلئے۔ جو لوگ ان کو بدعت کہتے ہیں وہ بدعت کی تعریف سے واقف نہیں۔ بدعت احداث فی الدین کا نام ہے احداث الدین کا نام نہیں۔ جو لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے وہ دین سے ناواقف ہیں۔ احداث الدین بسا اوقات ضروری بلکہ واجب تک ہو جاتا ہے، جیسا کہ جہاد کے آلات کہ پہلے تیر تلواریں تھے مگر اب ان پر اکتفا کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ مندوق، توپ، ٹینک بلکہ ایسی آلات تک ضروری ہو گئے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب نور اللہ مرقدہ اپنے ایک مکتوب میں جس کو تجلیات ربانی ص ۹ پر نقل کیا ہے تحریر فرماتے ہیں :-

”آپ نے اپنے پیروں سنگیر (حضرت خواجہ باقی باللہؒ) کی نسبت خاصہ کی عدم واقفیت کے بابے میں لکھا تھا اور اس کا سبب دریافت کیا تھا۔ مخدوما! اس قسم کی باتیں بطریق تحریر بلکہ تقریر میں بھی مناسب نہیں ہیں، معلوم نہیں کسی کی سمجھ میں کیا آئے اور اس سے کیا نتیجہ نکالے۔ اس کیلئے حضور بشر ط حسن ظن اور طول صحبت درکار ہے جس طور پر ہو مگر اس وجہ سے کہ کسی سول کا جواب بھی کچھ نہ کچھ چاہیئے اس قدر لکھتا ہوں کہ ہر مقام کے علوم و معارف جدا گانہ ہیں اور احوال و مواجید علیحدہ ہیں کسی مقام میں ذکر و توجہ مناسب ہے، کسی مقام میں تلاوت و نماز، کوئی مقام مخصوص بجز ہے اور کوئی مخصوص بسلوک، کوئی مقام ایسا ہی کہ ان ہر دو دونوں (جذبے سلوک) سے مرکب ہے۔ ایک مقام وہ بھی ہے کہ جذبے سلوک جدا ہے، نہ جذب کو اس سے تعلق نہ سلوک

کو۔ یہ مقام بہت ہی نادر ہے، اصحاب آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام کے ساتھ ممتاز اور اس دولت عظمیٰ سے مشرف ہیں۔ اس مقام کے حضرات کو امتیاز تام حاصل ہوتا ہے۔ ارباب مقامات دیگر سے کمتر مشابہت رکھتے ہیں بخلاف اصحاب مقامات دیگر کہ وہ بالیکہ گر مشابہت رکھتے ہیں اگر کچھ کسی حیثیت سے ہو۔ مشائخ سلاسل میں سے بہت کم حضرات نے اس مقام کی خبر دی ہے پھر بھلا اس کے معارف کا بیان کیونکر کیا جائے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم واصحاب کرام کو یہ نسبت عزیز الوجود اول قدم میں ظاہر ہوتی تھی اور درجہ کمال کو پہنچتی تھی۔ دوسرے کو اگر اس دولت سے (قضاء و قدر) مشرف کریں اور اصحاب کرام کی نسبت کے مطابق تربیت دیں تو وہ جذبے سلوک کے منازل قطع کرنے اور علوم و معارف کے طے کرنے کے بعد اس دولت عظمیٰ سے سعادت یاب ہوگا۔ اس نسبت مخصوص کا ابتداء میں ظاہر ہونا مخصوص ہے برکت صحبت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے کسی کو اس برکت سے مشرف کر دیا جائے اور اس کی صحبت بھی ابتداء میں اس نسبت علیہ کے ظہور کا سبب ہو جائے۔

ومن بعد هذا ما يدق صفاته

وما كتبه احظي لديه واجمل

(اس کے بعد وہ باتیں ہیں جن کا بیان دقیق ہے اور جن کا پوشیدہ

رکھنا زیادہ اچھا اور بہتر ہے) (تحقیقات ربانی)

جیسا کہ امراض ظاہرہ کیلئے کسی طبیب کی ضرورت ہے اور کوئی شخص طب کی کتابیں دیکھ کر اپنا علاج نہیں کر سکتا اسی طرح امراض روحانیہ کیلئے طبیب کی ضرورت ہے۔ اور جیسا ظاہر شریعت میں مجتہدین بہت ہوئے ایسے ہی طریقت میں بھی مشائخ سلوک، اکابر سلوک بہت سے ہوئے مگر جیسا ظاہر شریعت میں ائمہ اربعہ پر انحصار ہو گیا بہت سے وجوہ کی بنا پر ایسے ہی ایسے ہی امراض باطنیہ کے معالج مشائخ بھی ہمارے اطراف میں چار سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ شائع ہوئے۔

شیخ کی ضرورت اور اس کے شرائط

اس کے متعلق حضرت تھانویؒ نے التکشف ص ۱۲۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ جاننا چاہئے کہ جس طرح مرض ظاہری کے علاج کیلئے ایسے طبیب کی ضرورت ہے جو خود بھی صحیح اور تندرست ہو مریض نہ ہو اور دوسروں کے علاج بھی کر سکے کیونکہ اگر مریض ہے تو مسئلہ طبیبیہ ہے کہ دای العلیل علیل گو وہ طبیب ہو مگر اس کی رائے قابل اعتماد نہیں اور اگر وہ صحیح اور تندرست ہے مگر علاج کا طریقہ نہیں جانتا تب بھی اس مریض کے مطلب کا نہیں گو خود اچھا ہے۔ اسی طرح مرض باطنی کے علاج کیلئے ایسے شخص و مرشد کی حاجت ہے جو خود بھی متقی اور صالح ہو، بتدریج اور فاسق نہ ہو، اور دوسروں کی بھی تکمیل کر سکے کیونکہ اگر بد عقیدہ و بد عمل ہے تو اولاً اس پر یہ اطمینان نہیں کہ خیر خواہی سے تعلیم کریگا، بلکہ غالب تو یہی ہے کہ عقیدہ میں اپنا جیسا بنانے کی کوشش کریگا اور عمل میں اس کو اس لئے نصیحت نہ کریگا کہ خود اس کا عامل نہیں۔ یہی خیال ہو گا کہ اگر نصیحت کروں گا یہ شخص اپنے دل میں کیا کہیگا۔ بلکہ غالب یہ ہے کہ خود بھلا بننے کیلئے اپنی بد عملی کو تاویل سے درست کرنا چاہے گا۔ تو اس میں بڑی گمراہی کا اندیشہ ہے۔ ثانیاً اس کی تعلیم میں انوار اور برکات و تاثیر و امداد غیبی نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر متقی اور صالح تو ہو مگر تربیت باطنی کا طریقہ نہ جانتا ہو تو وہ بھی طالب کی رفع ضرورت نہیں کر سکتا۔ اور جس طرح طبیب ظاہری کا طبیب ہونا ان علامات سے معلوم ہوتا ہے کہ علم طب پڑھا ہو کسی طبیب کا مل کے پاس مدت معتد بہ تک مطب کیا ہو، سمجھدار لوگوں اس کی

طرف رجوع کرتے ہیں، اسکے ہاتھ سے لوگ شفا یاب بھی ہوتے ہوں۔ اسی طرح طبیب باطنی یعنی شیخ کے شیخ معتبر ہونے کی علامات یہ ہیں کہ کسی کامل کی خدمت میں ایک مدت تک مستفید ہوا ہو، اہل علم و اہل انہم اُس کو اچھا سمجھتے ہوں۔ اور اس کی طرف رجوع کرتے ہوں، اُس کی صحبت سے محبت الہی کی زیادتی اور محبت دنیا کی کمی قلب میں محسوس ہوتی ہو، اس کے پاس پہننے والوں کی حالت روز بروز درست ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔ شیخ اِس قابل ہے کہ اس کو شیخ بنائے اور اس کو اکسیر اعظم سمجھے اور اس کی زیارت و خدمت کو کبریتِ احمر جانے۔ پس مجموعہ ان صفات کا جو شیخ کامل میں ہونا چاہئیں یہ ہے۔

مستقی و صالح ہو، متبع سنت ہو، علم دین بقدر ضرورت جاننا ہو، کبھی کامل کی خدمت میں رہ کر فائدہ باطنی حاصل کیا ہو، عقلاء اور علماء اس کی طرف مائل ہوں، اس کی صحبت مؤثر ہو، اس سے مریدوں کی حالت کی اصلاح ہوتی ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے قول جمیل میں مرشد کی شرائط اور بھی سخت لکھی ہیں جن کا خلاصہ شفاء العلیل سے لکھا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے:-

بیعت لینے والے میں یعنی پیرومِ مرشد میں چند امور شرط ہیں۔ شرط اوّل علم قرآن اور حدیث کا، اور میری یہ مراد انہیں کہ تلے سرے کا مرتبہ علم کا مشروط ہے، بلکہ قرآن میں اتنا علم ہونا کافی ہے کہ تفسیرِ مدرک یا جلالین یا ان کے سوا کوئی مختصر یا مفصل تفسیر محفوظ کر چکا ہو اور کسی عالم سے اُس کو تحقیق کر لیا ہو۔ اور علم حدیث اتنا کافی ہے کہ ضبط اور تحقیق کر چکا ہو، مانند کتاب مصابیح یا مشارق کے، اور فقہائے دین کی رائے معلوم کر چکا ہو۔ مترجم کہتے ہیں کہ یہ شرط اس لئے لگائی کہ

چاروں اماموں کی مخالفت میں ضلالت مرتکب ہے، یعنی اس نے ترک اجماع کیا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ پیری مریدی کے واسطے اتنا علم بھی قرآن و حدیث کا کافی ہے۔

آگے شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مرشد کے عالم ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ غرض بیعت سے مرید کو امر کرنے کے مشروعات کا اور روکنا اس کو خلاف شرع سے اور اس کی رہنمائی طرف تسکین باطنی کے اور دور کرنا بُری عادتوں کا اور جہل کرنا صفاتِ حمیدہ کا۔ پھر مرید کا عمل میں لانا اُس کو صحیح امور مذکورہ میں۔ سو جو شخص عالم اور واقف ان امور سے نہیں ہوگا اُس سے یہ کیونکر متصور ہوگا۔

مترجم فرماتے ہیں سبحان اللہ کیا معاملہ بالکس ہو گیا ہے، فقر اور جہان کو اِس وقت یہ ضبط سلیا ہے کہ پیری مریدی میں علم کا ہونا کچھ ضروری نہیں، بلکہ علمِ درویشی کو مضر ہے، اِس واسطے کہ شریعت کچھ اور ہے اور طریقت کچھ اور۔ حالانکہ صوفیاء قدیم کی کتب اور ملفوظات میں مثل قوت القلوب اور عوارف اور احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت اور فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین تصنیف حضرت عبدالقادر جیلانیؒ میں صاف مصرح ہے کہ علم شریعت شرط ہے طریقی اور تصوف کی۔ یہ بھی جہالت کی شامت ہے کہ جن مرشدوں کا نام صبح و شام مثل قرآن اور درود کے ذکر کیا کرتے ہیں اُن کے کلام سے بھی غافل ہیں۔

مولانا نواب قطب الدین خان صاحب حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ کتاب طریقی ترجمہ میں لکھا ہے کہ سردارِ جامع صوفیاء کرام اور امام ارباب طریقت حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے نہ یاد کیا قرآن اور نہ لکھی حدیث نہ پیروی کی جائے اُس کی اس امر تصوف میں۔ اس لئے کہ علم ہمارا اور یہ مذہب ہمارا مقتید ہے ساتھ

کتاب سنت کے۔ اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ جس طریقت کو روکرے شریعت ہے وہ نرا کفر ہے۔

اور فرمایا سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے، "تصوف نام ہے تین چیزوں کا ایک تویہ کہ نہ بھلائے اس کا نور معرفت نور تقویٰ کو۔ دوسرا کلام کرے علم باطن کے ساتھ اس طرح کہ نقض کرے اسے ظاہر کتاب اللہ۔ تیسرے یہ کہ اُس کی کرامات کی وجہ سے اللہ کے محارم کی بے حرمتی ہوتی ہو۔" اور بہت سے اقوال بزرگانِ دین کے جامع جامع التفاسیر میں منقول ہیں۔

آگے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مرشد ایسا ہو کہ جس نے متقی علماء کی بہت مدت تک صحبت اختیار کی ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو اور حلال اور حرام کی تحقیق کرنے والا ہو اور قرآن وحدیث کے اوامرو نواہی کو سن کر ڈر جاتا ہو اور اپنے اقوال وافعال وحالات کو کتاب سنت کے موافق کر لیتا ہو تو امید ہے کہ اس قدر معلومات بھی اس کیلئے کافی ہوں۔ در صورت عدم علم (یعنی باقاعدہ عالم نہ ہونے کی صورت میں) اور مرشد کیلئے دوسری شرط عدالت اور تقویٰ ہے۔ تو واجب ہے کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو۔ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ تقویٰ مرشد کا اس واسطے شرط ہو کہ بیعت مشرعی سے صفائے باطن کیلئے انسان مجبور ہے اپنے ہم جنسوں کی اقتداء افعال پر اور صفائے باطن میں۔ فقط قول بد عمل کافی نہیں۔ سو جو مرشد کہ اعمال خیر سے متصف نہ ہو، فقط زبانی تقریر پر کفایت کرتا ہو تو وہ شخص حکمت بیعت کا رہزن ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ تارک دنیا ہو اور آخرت کا راغب ہو۔ محافظ ہو طاعات مؤکدہ کا

اور اذکار منقولہ کا جو صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں ہمیشہ تعلق دل کا اللہ تعالیٰ سے رکھتا ہو اور ادا داشت کی مشق کامل اس کو حاصل ہو۔

• چوتھی شرط یہ ہے کہ مرشد مشرعی کا امر کرتا ہو، خلاف شرع سے روکتا ہو، جو مستقل ہو اپنی رائے پر نہ کہ مردہ رہ جائی۔ اور صاحب عقل کامل ہو تاکہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ مرشد کامل کی صحبت میں رہا ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو زمانہ دراز تک۔ اور ان سے باطن کا نور اور اطمینان حاصل کیا ہو۔ اور یہ یعنی صحبت کاملین اس واسطے مشروط ہوئی کہ عادتِ الہی یوں جاری ہوتی ہے کہ مردانہیں ملتی جب تک مراد پانے والوں کو نہ دیکھے جیسے انسان کو علم نہیں حاصل ہوتا مگر علماء کی صحبت سے اور ایسی قیاس پر ہیں اور پیشے، جیسے لوہاری بدون صحبت لوہار یا بخاری بدون صحبت بخاری نہیں آتی۔ اور شرط نہیں اس میں یعنی بیعت لینے میں ظہور کرامات اور غوارق عادات کا اور نہ ترک پیشہ وری کا اس واسطے کہ ظہور کرامات اور غوارق عادات ثمرہ ہے مجاہدات اور ریاضت کشتی کا نہ شرط ہے کمال کی اور ترک اکتسابِ کمال شرم ہے۔ اور دھوکہ نہ کھاؤ اس سے جو درویش مغلوب الاحوال کرتے ہیں یعنی جو صاحب حال بسبب غلبہ حال کے کسبِ حلال کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ہیں اُن کے فعل کو دلیل نہ پکڑنا ترک کسب پر منقول تو یہی ہے کہ تھوٹے پر قناعت کرنا اور شہوات سے پرہیز کرنا یعنی مالِ مشتبہ اور پیشہ مکرا و مشتبہ سے بچنا ضروری ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا کہ مرشد کیلئے یہ شرط نہیں کہ کمال تربیب اختیار کرے یعنی عبادات شاقہ اپنے اوپر لازم کرے جیسا کہ ہمیشہ روزہ رکھنا، تمام رات جاگنا، عورتوں سے علیحدگی اختیار کرنا، طعام لذیذ نہ

کھانا، جنگل یا پہاڑوں پر رہنا جیسا کہ ہمارے زمانہ کے عوام اس کو کمال کی شرط سمجھتے ہیں۔ اس واسطے کہ یہ امور تشدد فی الدین اور تشدد علی النفس میں داخل ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخت نہ پکڑو اپنی جانوں کو کہ اللہ تعالیٰ تم کو سخت پکڑ لیتا اور فرمایا کہ رہبانیت اسلام میں جائز نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے جو شرائط لکھی ہیں وہ زیادہ سخت ہیں اور حضرت حکیم الامت نے جو شرائط لکھی ہیں وہ نرم ہیں۔ شاہ صاحب سے پہلے اکابر نے ان سے بھی زیادہ مجاہدات اور ریاضات کرائی ہیں اس کے بعد خرقہ عنایت فرمایا، جیسا کہ بہت سے وقائع اکابر کے اس سلسلہ کے تواریخ میں مرقوم ہیں۔ شاہ ابوسعید صاحب گنگوہی کا قصہ تو بہت مشہور ہے۔ میرے کئی رسائل میں بھی آپ کا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ بیعت کیلئے شاہ نظام الدینؒ بخئی کی خدمت میں گئے۔ اور شاہ صاحب کو جب اطلاع ہوئی تو صاحبزادہ کے استقبال کیلئے ایک منزل تک آئے اور وہاں پہنچ کر بہت زیادہ اعزاز و اکرام کے ساتھ لیکر بلخ پہنچے وہاں پہنچ کر ان کو مسند پر بٹھایا اور خود خادموں کی جگہ بیٹھتے۔ آخر جب شاہ ابوسعید نے واپسی کی اجازت چاہی تو شاہ صاحب نے بہت سی اشرفیاں نکدیں۔ اس وقت شاہ ابوسعید نے عرض کیا کہ حضرت اس دنیاوی دولت کی مجھے ضرورت نہیں ہے نہ اس کیلئے میں یہاں آیا، مجھے تو وہ دولت چاہیے جو آپ ہمارے یہاں سے لیکر آئے ہیں۔ بس اتنا سننا تھا کہ شاہ نظام الدینؒ آنکھ مبل گئے اور جھپکے کہہا کہ جاکر طویلہ میں بیٹھو اور شکاری کتوں کے دانہ راتب کی خبر رکھو۔ غرض یہ کہ طویلہ میں شکاری کتے اُن کی تحویل میں دیئے گئے کہ روز نہ ملائیں دھلا لیں اور صاف ستھرا رکھیں کبھی حجام جھکوا یا جاتا اور کبھی شکار کے وقت شیخ گھوڑے

پر سوار ہوتے اور یہ کتوں کی زنجیر تمام کر ہمارا چلتے۔ آدمی سے کہہ دیا گیا کہ شیخ جس جو طویلہ میں رہتا ہے اس کی جو کی دو روٹیاں دونوں وقت گھر سے لادیا کرو۔ اب شاہ ابوسعید صاحب جب کبھی حاضر خدمت ہوتے تو شیخ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ چماروں کی طرح دور بیٹھنے کا حکم فرماتے اور التفات بھی نہ فرماتے تھے کہ کون آیا اور کہاں بیٹھا۔ تین چار ماہ بعد حضرت شیخ نے ایک روز بھنگن کو حکم دیا کہ آج طویلہ کی لید اکٹھی کر کے لچائے تو اس دیوانے کے پاس سے گذریو جو طویلہ میں بیٹھا رہتا ہے۔ چنانچہ شیخ کے ارشاد کے بموجب بھنگن نے ایسا ہی کیا کہ پاس سے گذری کہ کچھ نجاست شاہ ابوسعید پر پڑی۔ شاہ ابوسعید کا پھر غصہ سے لال ہو گیا اور فرمایا نہ ہوا گنگوہ۔ بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے سنا، حضرت نے فرمایا ہاں ابھی بوسے صاحبزادگی کی۔ پھر دو ماہ تک خبر نہ لی اسکے بعد بھنگن کو حکم ہوا کہ آج پھر ویسا ہی کرے بلکہ قصد اچھ غلاطت شاہ ابوسعید پر ڈال کر سننے کہ جواب کیا ملتا ہے۔ چنانچہ بھنگن نے پھر ارشاد کی تعمیل کی، اس مرتبہ شاہ ابوسعید نے کچھ کلمہ زبان سے نہ نکالا ہاں تیز اور ترچھی نگاہ سے اس کو دیکھا اور گردن جھکا کر خاموش ہوئے۔ بھنگن نے آکر حضرت شیخ سے عرض کیا آج تو میں کچھ بولے نہیں تیز نظروں سے دیکھ کر چپ ہوئے۔ حضرت نے فرمایا ابھی کچھ بولنا ہی ہے۔ پھر دو چار ماہ کے بعد بھنگن کو حکم دیا کہ اس مرتبہ گوبڑا بھرا ہو تو کراؤ اچھ پھینک ہی دیجو کہ پاؤں تک بھر جائیں، چنانچہ بھنگن نے ایسا ہی کیا مگر اب شاہ ابوسعید بن چکے تھے جو کچھ بننا تھا۔ اس لئے گھبرا گئے اور گردا گردا کر کہنے لگے مجھ سے ٹھوکر کھا کر پیاری گر گئی، کہیں چوٹ تو نہیں لگی۔ یہ فرما کر گری ہوئی لید جلدی جلدی اٹھا کر توکرے میں ڈالنی شروع کی کہ لا میں بھر دوں۔ بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے

اگر کہا کہ آج تو میاں ہی غصہ کی جگہ اُلے مجھ ترس کھانے لگے اور لید بھر کر مرے
 نوکرے میں ڈال دی۔ شیخ نے فرمایا بس اب کام ہو گیا۔ اسی دن شیخ نے خادم
 کی زبانی کلام بھیجا کہ آج شکار کو چلیں گے کتوں کو تیار کر کے ہمراہ چلنا۔ شام کو شیخ
 گھوڑے پر سوار خدام کا مجمع ساتھ جنگل کی طرف چلے۔ شاہ ابوسعید کتوں کی بخییر
 تھامے پابرکاب ہوئے۔ کتے تھے زبردست شکاری کھاتے بیٹے تواناں، اور ابوسعید
 بیچلے سوکھے بدن کمزور۔ اس لئے کتے ان سے سنبھالے سنبھلتے نہ تھے۔ آخر انہوں
 نے زنجیر کر سے باندھ لی۔ شکار جو نظر پڑا تو کتے اُس پر لپکے۔ اب شاہ ابوسعید
 بیچلے گر گئے اور زمین پر گھسٹے اور کتے اُن کو کھینچتے کھینچتے چلے جا رہے تھے۔ کہیں
 اینٹ لگی کہیں کنکر چھبی بدن سارا ابو لہان ہو گیا مگر انہوں نے اُف نہ کی جب
 دوسرے خادم نے کتوں کو روکا اور اُن کو اٹھایا تو یہ تھر تھر کانپنے لگے حضرت خضا
 ہوں گے اور فرمائیں گے کہ حکم کی تعمیل نہ کی، کتوں کو روکا کیوں نہیں۔ شیخ کو تو امتحان
 مقصود تھا سو ہو لیا۔ اسی شب شیخ نے اپنے مرشد قطب العالم شیخ عبدالقدوس
 کو خواب میں دیکھا کہ رنج کے ساتھ فرماتے ہیں نظام الدین میں نے تم سے اتنی کڑی
 محنت نہ لی تھی جتنی تو نے میری اولاد سے لی۔ صبح ہوتے ہی شاہ نظام الدین نے
 شاہ ابوسعید کو طویلی سے بلا کر بھاتی سے لگا لیا اور فرمایا کہ خاندان چشتیہ کا
 فیضان میں ہندوستان سے لیکر آیا تھا تم ہی ہو جو میرے پاس سے اس فیضان
 کو ہندوستان لئے جلتے ہو۔ مبارک ہو وطن جاؤ۔ غرض مجاز حقیقت بنا کر
 ہندوستان واپس کیا۔ قصہ تو بہت طویل ہے، میں نے مختصر کر لکھوایا۔ اول اس
 قسم کے بہت سے مجاہدات اس دور کے کتب تاریخ میں معروف ہیں مگر چونکہ
 زمانہ قوی جہانگیر کے اعتبار سے بھی اور قوت ایمانیہ کے اعتبار سے بھی انحطاط

پر ہے اس لئے حضرت تھانویؒ کے بعد کے لوگوں نے اور بھی نرمی شروع کر دی۔
 حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد صحابہ کرام سے ہے کہ تم ایسے
 زمانہ میں ہو کہ اگر مامور بہ کا دسواں حصہ بھی کوئی پھوڑے تو ہلاک ہو چلے
 لیکن ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ مامور بہ کا دسواں حصہ بھی کوئی گمے
 تو نجات پالے۔ (مشکوٰۃ ص ۲)

صاحب مرقاۃ نے مامور بہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مراد لیا،
 اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ مامورات کو شامل ہے اور نقصان سے مراد خشوع
 اور احسان کا نقصان ہے۔ ابو داؤد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا
 ارشاد ہے کہ آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اُس کیلئے اُس کا دسواں حصہ
 ثواب کا لکھا جاتا ہے، یہاں تک بعضوں کیلئے آدھا لکھا جاتا ہے۔ یہ نقصان
 خشوع اور خضوع کا ہے۔ چونکہ دن بدن ضعف کا زمانہ بڑھتا رہتا ہے۔
 ایمان کے اعتبار سے بھی اور قوی کے اعتبار سے بھی اس لئے مشائخ مجاہدات
 اور ریاضات میں بھی کمی کرتے جاتے ہیں اور شرائط شیخ میں بھی ڈھیلا پن
 کرتے جاتے ہیں۔ مضمون تو بہت طویل ہے اور لکھوانے کو جی چاہ رہا ہے مگر
 پڑھیکا کوں۔ اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ البتہ علی میاں نے صوفی اقبال
 کے رسالے ”اکابر کا سلوک احسان“ کے شروع میں جو تمہید لکھی ہے وہ بھی بہت
 جامع ہے۔ اس لئے اس بحث کو اسی پر ختم کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں:-

”مذہب، اخلاقیات، تعلیم و تربیت، اصلاح و تجدید،
 علوم و فنون سب کی تاریخ میں دو مرحلے بڑے سخت پیش آتے ہیں
 ہیں، اور ان سے ان میں سے کسی کو بھی مفر نہیں۔ ایک جبکہ وسائل

مقاصد بن جاتے ہیں، اور دوسرے جب اصطلاحات حقائق کیلئے حجاب ہو جاتے ہیں۔ وسائل اور اصطلاحات دونوں نہایت ضروری اور بالکل قدرتی اور طبعی چیزیں ہیں جن کے بغیر ان مقاصد عالیہ کی تبلیغ و توسیع اور تشریح و تفہیم عام طور پر ممکن نہیں ہوتی لیکن وسائل ہوں یا اصطلاحات مقاصد و حقائق کیلئے ان کا درجہ خادم معاون کا ہے۔ ان کو وقتی طور پر ایک ضرورت کی تکمیل کیلئے اختیار کیا جاتا ہے اور بعض اوقات ان پر مقاصد و حقائق ہی کی طرح رد و یا جاتا ہے اور ان کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے ہر فن کا مجتہد جب ضروری سمجھتا ہے اسے نہ صرف استغناء اختیار کرتا ہے بلکہ بعض اوقات بطور علاج ان کے ترک کا بھی حکم دیتا ہے اور وہ ان کا محکوم ہونے کی بجائے ان کا حاکم ہوتا ہے۔ وہ اس کا بھی لحاظ رکھتا ہے کہ وہ اس تناسب آگے نہ بڑھنے پائیں کہ بجائے مفید ہونیکے مضر اور موصل الی المطلوب ہونے کے بجائے سب راہ اور طریق کے راہزن ثابت ہوں۔ لیکن اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ ان مقاصد عالیہ کو یہ ابتلا بار بار پیش آیا ہے کہ وسائل مقاصد بن گئے ہیں اور اصطلاحات نے حقائق پر ایسے دیز پرے ڈال دیے ہیں کہ وہ نہ صرف یہ کہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے بلکہ ان سے ان تلخ تجربوں اور غلطیوں کی بناء پر جو ان اصطلاحات کے علمبرداروں سے سرزد ہوئیں، ایسی شدید غلط فہمیاں پیدا ہوئیں کہ حق جو اور سلیم الفطرت انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو ان مقاصد و حقائق

ہی سے ایسی وحشت اور بیزاری پیدا ہو گئی کہ ان کو ان مقاصد کے حصول اور تکمیل اور ان حقائق کے قدر و اعتراف پر آمادہ کرنا ایک نہایت دشوار کام بن گیا جب ان کے سامنے ان مقاصد کی تحصیل کی ضرورت پر تفریک جاتی یا ان کو ان کے بائے میں مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی تو وسائل کے وہ پہاڑ ان کے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے جن کے بائے میں خام اور غیر محقق داعیوں نے سخت مبالغہ اور غلو سے کام لیا تھا۔ اور شخص سے ان کے بائے میں بیجا اصرار کیا تھا اور وہ ان ہی میں اس طرح الجھ کر رہ گئے تھے کہ مقصد ہی بالکل فراموش اور نظر انداز ہو گیا تھا۔ اسی طرح جب ان حقائق کی دعوت دی گئی جن کے بائے میں دورائیں نہیں ہو سکتیں اور جو بدہیات میں داخل ہیں تو وہ اصطلاحات ان کیلئے حجاب بن گئیں جن کے بائے میں نہ صرف یہ کہ اختلاف کی گنجائش تھی بلکہ وہ خاص ماحول مخصوص حالات اور عام طور پر بہت بعد کے زمانے میں ان حقائق کو ذہن کے قریب کرنے کیلئے اور خاص مصالح کے تحت وضع کئے گئے تھے ان حقائق کے ابتدائی علمبردار اور جن کی زندگی ان حقائق کی سچی تصویر تھی ان اصطلاحات سے نا آشنا تھے۔ انہوں نے ان حقائق کو سمجھانے اور ذہن نشین کرنے کیلئے دوسرے ہی الفاظ، طریقے اور اسالیب استعمال کئے تھے صرف نحو، قواعد، زبان، علوم و بلاغت سے لیکر حقیقت و معرفت اصلاح باطن تزکیہ نفس تک جس کی آئینہ دیکھی جلتے اور اس فن

کے متقدمین و متاخرین کا مقابلہ کیا جائے یہ حقیقت سب جگہ نظر آئے گی کہ متقدمین و متاخرین پر حاکم متاخرین ان کے محکوم، محققین حقائق کے داعی و مبلغ اور غیر محقق پیر و اصطلاحات کے پرستار اور ان کے اسیر و گرفتار ہیں۔ یہ مقاصد عالیہ و دنیاویات اور اخلاقیات اور علوم و فنون کا ایک ایسا المیہ ان کے طالبین کے لئے امتحان و آزمائش کا ایسا مرحلہ ہے جو ہر دور میں پیش آیا ہے۔ تصوف کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ جہاں تک اس کے مقصد و حقیقت کا تعلق ہے وہ ایک متفق علیہ اور بدیہی حقیقت ہے لیکن اس کو ان ہی دو چیزوں نے نقصان پہنچایا کہ ایک وسائل کے بے میں غلو اور افراط سے کام لینا دوسرے اصطلاح پر غیر ضروری حد تک زور دینا اور اس پر بجا اصرار کرنا۔ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ اخلاق و اخلاق ضروری ہیں یا نہیں؟ یقین کا پیدا ہونا مطلوب ہے یا نہیں؟ فضائل سے آراستہ ہونا اور رذائل سے پاک ہونا، حسد، کبر، ریاء، بغض اور کینہ حب مال اور حب جاہ اور دوسرے اخلاقی ذمہ سے نجات پانا، نفس امارہ کی شدید گرفت سے خلاصی پانا کسی درجہ میں ضروری یا مستحسن ہے یا نہیں؟ نماز میں خشوع و خضوع، دعا میں تضرع و ابتهال کی کیفیت، محاسبہ نفس کی عادت اور سچے بڑھکراشد و رسول کی محبت، حسی علاوہ لذت کا حصول یا کم از کم اس پر شوق و اہتمام، صفائی معاملات، صدق و امانت اور حقوق العباد کی اہمیت اور فکر نفس پر قابو رکھنا،

غصہ میں آپے سے باہر نہ ہو جانا کسی درجہ میں مطلوب ہے، یا نہیں تو ہر سلیم الفطرت انسان اور خاص طور پر وہ مسلمان جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی نہیں ہے یہی جواب یگا کہ یہ چیزیں نہ صرف مستحسن بلکہ شرعاً مطلوب ہیں اور سارا قرآن اور حدیث کے دفتر اس کی ترغیب و تاکید سے بھرے ہوئے ہیں لیکن اگر کہا جائے کہ ان ہی صفات کے حصول کا ذریعہ وہ طریق عمل ہے جس کو بعد کی صدیوں میں تصوف کے نام سے پکارا جانے لگا تو اس کے سننے ہی بعض لوگوں کی پیشانی پر شکن پڑ جائیگی اس لئے کہ اس اصطلاح سے ان کو وحشت اور اس کے بعض برخود علمبرداروں اور دعویداروں کے متعلق ان کے تجربات نہایت تلخ ہیں، ان کے حافظہ میں اس وقت وہ واقعات ابھرتے ہیں جو ان کو ملامت کرنے پر بیان کو قریب سے دیکھنے پر ان کے ساتھ پیش آئے، لیکن یہ صرف تصوف ہی نہیں ہر علم و فن، ہر اصلاحی دعوت اور ہر نیک مقصد کا حال ہے کہ اس کے حاملین و عاملین میں اور اس کے داعیوں اور دعویداروں میں اسی مصنوعی محقق و غیر محقق پختہ و خام یہانیک کہ صادق و منافق پائے جاتے ہیں اور ان دونوں نمونوں کی بوجگی سے کوئی حقیقت پسند انسان بھی اس ضرورت کا منکر اور سرے سے اس فن کا مخالف نہیں بن جاتا۔ دنیاوی شعبوں کا حال بھی یہی ہے کہ تجارت ہو یا زراعت، صنعت یا ہنر، ہر ایک میں کامل ناقص اور رہبر و رہزن دونوں پائے جاتے ہیں۔ لیکن دین و دنیا کا نظام

اسی طرح چل رہا ہے کہ آدمی اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور ناقصوں یا مدعیوں کی وجہ سے اس دولت سے محرومی اور اس مقصد سے دست برداری اختیار نہیں کرتا اور کسی اصطلاح سے عدم اتفاق کی وجہ سے وہ اصل حقیقت کو نہیں ٹھکراتا۔ شاعر نے صحیح کہا ہے۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا

غواص کو مطلب ہے گرے کہ صدف سے

تصوف کے سلسلہ میں دو گروہ پائے ملتے ہیں ایک وہ جو تمام اجزاء کو علیحدہ علیحدہ تسلیم کرتا ہے لیکن جب اس کے مجموعہ کو کوئی نام دیدیا جاتا ہے تو وہ اس سے انکار کر دیتا ہے۔ ہم نے اوپر جن مقاصد اور صفات کا ذکر کیا ہے وہ تقریباً سب لوگوں کو علیحدہ علیحدہ تسلیم ہیں، لیکن جب کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے (کسی وجہ سے) اس کے مجموعہ کا نام تصوف رکھ دیا ہے تو فوراً تیوری پر کبلی پڑ جاتے ہیں اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم تصوف کو نہیں مانتے اور تصوف نے بڑا نقصان پہنچا دیا ہے۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ اگر کوئی اس حقیقت کا نام بدل کر پیش کرے تو اس کو قبول کرتا ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں اس کا نام تزکیہ حدیث کی اصطلاح میں اس کا نام احسان اور بعض علماء متاخرین کی اصطلاح میں اس کا نام فقر باطن ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں، اور یہ سب چیزیں خصوص ہیں واقعہ یہ ہے کہ اس وقت تک لکھی ہوئی ساری کتابوں میں نہ ترمیم ہو سکتی

ہے اور نہ زبان خلق کو جو نقارہ خدا کی گئی ہے روکا جاسکتا ہے ورنہ اگر ہمارے اختیار کی بات ہوتی تو ہم اس کو تزکیہ و احسان کے لفظ سے یاد کرتے اور تصوف کا لفظ ہی استعمال نہ کرتے۔ لیکن اب اس کا معروف نام ہی پڑ گیا ہے اور کسی فن کی خصوصیت نہیں۔ علوم و فنون کی ساری تاریخ اسی طرح کی مروجہ اصطلاحات سے پُر ہیں۔ محققین فن نے ہمیشہ مقاصد پر زور دیا اور مسائل کو مسائل ہی کی حد تک رکھا۔ اسی طرح انہوں نے بڑی جرأت اور بلند آہنگی سے ان چیزوں کا انکار کیا جو اس کے روح و مغز اور اہل مقاصد سے نہ صرف خارج بلکہ ان کے منافی اور اکثر اوقات ان کیلئے مضر ثابت ہوتی ہیں۔ تاریخ اسلام میں کوئی ایسا دور نہیں گذرا کہ اس فن کے داعیوں، معلموں اور اہل تحقیق نے مغز و پوست، حقائق و اشکال اور مقاصد و رسوم میں فرق نہ کیا ہو۔ پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے لے کر مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سب قشر و لباب مقصود و غیر مقصود میں پوری وضاحت کے ساتھ امتیاز پر زور دیا اور ان رسوم و عادات کی اس شدت سے تردید کی جو غیر مسلموں کے اختلاط یا صوفیائے خاں کے اثر سے داخل ہو گئی تھیں اور ان کو تصوف اور طریقت کا جزو سمجھ لیا گیا تھا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی فتوح الغیب یا غنیۃ الطالبین یا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف، حضرت مجدد صابہ کی مکتوبات امام ربانیؒ ہو یا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تصنیفات یا حضرت سید احمد شہیدؒ کی صراطِ مستقیم، حضرت گنگوہیؒ کی مکتوبات یا مولانا تھانویؒ کی تربیت السالک قصد السبیل۔ ہر جگہ یہ مضامین بکثرت ملیں گے کہ انہوں نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیا۔ اور جہاں تک حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا تعلق ہے انہوں نے یہاں تک گھدیا ہے کہ نسبت صوفیہ، کبریت احرارست و رسوم ایشان (شیخ نیرزد) صوفیہ کرام کی نسبت باطنی تو نعمتِ حظی ہے لیکن ان کے رسوم (جن کا شریعت سے ثبوت نہیں) کوئی قیمت نہیں رکھتے) اسی طرح ان سب حضرات نے بلا استثناء اخلاق و معاملات، حقوق العباد کی اہمیت پر پورا زور دیا ہے اور اس کو اصلاح و قرب کیلئے شرط قرار دیا ہے۔ ان حضرات کی تصانیف بھی اس مضمون سے بھری ہوئی ہیں اور ان کی مجالس اس تذکرہ و تبلیغ سے ہمیشہ معمور رہیں۔ ہم نے جن بزرگوں کا زمانہ پایا اور ان کی خدمت میں پہنچنے کی سعادت حاصل ہوئی اور ان کو دیکھا کہ تصوف کے قائل اور معتقد ہوئے ان میں ہم نے تصوف اور طریقت ہی کا نہیں دین و شریعت کا لب لباب پایا۔ ان کے اخلاق، اخلاقِ نبویؐ کا پرتو، ان کے معاملات اور اعمال اور ان کی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اور اُس کی ترازو میں تکی ہوئی دیکھی، ان کو

ہمیشہ مقاصد و سائل کے درمیان فرق کرتے ہوئے اصطلاحات سے مستغنی ہو کر اکثر ان کو فراموش کر کے حقائق پر زور دیتے ہوئے دیکھا، رسوم سے بے پرواہ و بیگانہ اور برعات کا سخت مخالف اور منکر پایا ان کے اتباع سنت کا دائرہ صرف عبادات نہیں بلکہ عادات و معاملات تک وسیع اور محیط پایا وہ اس فن کے مقلد نہیں بلکہ مجتہد تھے جو اپنی خداداد بصیرت، طویل تجربہ سے اس فن میں کبھی اختصار سے کبھی انتخاب سے اور کبھی حذف و ترمیم سے کام لیتے اور ہر ایک کے مزاج کے مطابق نسخہ تجویز کرتے اور معالجہ فرماتے اور علاج و پرہیز میں طبائع و مشاغل و حالات کا پورا لحاظ رکھتے۔ ان کی شان اس کے باجے میں مجتہد فنِ اطباء و اضعیٰ فن کی ہے جو اپنے فن کے محکوم نہیں حاکم ہوتے ہیں اور جن کے سامنے صل مقصود فائدہ اور مرض کی صحت ہوتی ہے نہ کہ لکیر کے فقیر بننا اور نیے ہوئے سبق کا دوبارہ دینا۔ ان حضرات کے نزدیک اخلاق کی اصلاح معاملات کی صفائی، طبیعت میں اعتدال کا پیدا ہونا، ضبط نفس اور ایثار، انقیاد و اطاعت اور ہر چیز میں اخلاص و رضا الہی کی طلب تصوف کا اصل مقصود اور اذکار و مجاہدات صحبتِ شیخ حتیٰ کہ سمیت و ارادت کا اصلی فائدہ ہے اگر یہ حاصل نہیں تو یہ ساری محنت کوہ کندن کاہ بر آوردن کے مرادف ہے اور اس شعر کے مصداق ہے

خواجہ پندارد کہ مرد و اصل است

حاصل خواجہ بجز پندار نیست فقط

علی میاں نے تصوف کے متعلق جو کچھ لکھا وہ بالکل صحیح لکھا اور بہت اکابر بھی لکھتے چلے آئے کہ اصل میں ان مسمیات سے تو کسی کو انکار نہیں صرف نام میں جھگڑا ہے۔

تصوف کے نام سے لوگ بدکتے ہیں بعضے ناواقفیت کی وجہ سے اور بعض اس وجہ سے کہ ان کے ذہن میں عوارض کی وجہ سے تصوف کا غلط مفہوم بیٹھا ہوا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فتاویٰ کی گیارہویں جلد میں جو ساری تصوف ہی کے بابے میں ہے، لکھتے ہیں کہ لفظ صوفیاء قرون ثلاثہ میں معروف نہیں تھا اس کے بعد اس کی شہرت ہوئی اور یہ لفظ بہت سے ائمہ اور شیوخ کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے جیسے امام احمد بن حنبلؒ اور ابوسلیمان دارانیؒ اور سفیان ثوریؒ سے بھی نقل کیا گیا ہے اور حسن بصریؒ سے بھی۔ اس میں علماء میں اختلاف ہے کہ یہ کس طرف منسوب ہے، یعنی اس کے اشتقاق میں کہ کس سے لیا گیا ہے۔ بہت سے اقوال نقل کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ یہ صوف پہننے کی طرف منسوب ہے، صوفیاء کی جماعت سے پہلے بصرہ سے ظاہر ہوئی اور سب سے پہلے حسن نے خانقاہ بنائی عبدالواحد بن زید کے مریدین..... اور

عبدالواحد بن زید حسن بصری کے خلفاء میں تھے اور اس زمانہ میں بصرہ میں سب جگہوں سے زیادہ زہد، عبادت اور خوفِ خداوندی میں اہتمام پایا جاتا تھا اور اسی وجہ سے یہ مقولہ مشہور تھا کہ فقہ کوئی ہے اور عبادت بصری ہے۔ پھر عباد اہل بصرہ کے متعدد فقہے لکھے جن میں قرآن پڑھنے سے بعض غرضی طاری ہو جاتا اور بعضوں کا مرجانا وغیرہ وغیرہ۔ اس پر اس زمانہ کے بعض اکابر نے انکار

بھی کیا بعضوں نے تو اس وجہ سے کہ اس کو تکلف سمجھا اور بعضوں نے اس وجہ سے کہ صحابہؓ کے دور میں یہ چیز نہیں پائی گئی، اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اگر یہ مغلوب الحال تھا تو اس پر نکیر نہیں کی جائے گی اگرچہ جو اپنے حال پر ثابت ہے وہ اس سے افضل ہے، حضرت امام احمدؒ سے غشی اور وجد وغیرہ کے بابے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یحییٰ بن سعید قطان پر ایک دفعہ قرآن پڑھا گیا تو ان پر غشی طاری ہو گئی، اگر کوئی شخص اس حالت کو اپنے سے دفع کر سکتا تھا تو یحییٰ بن سعید ضرور دفع کرتے کیونکہ ان سے زیادہ عقلمند میں نے نہیں دیکھا، اور امام شافعیؒ سے بھی منقول ہے کہ خود ان پر یہ حالت طاری ہوئی، اور علی بن فضال بن عیاض کا قصہ تو بہت مشہور ہے، حاصل یہ کہ اس قسم کے واقعات ایسے لوگوں سے کثرت سے ثابت ہیں جن کے صدق پر شبہ نہیں کیا جاسکتا، لیکن صحابہؓ کے احوال جو قرآن میں مذکور ہیں، جیسے قلوب کا دہل جانا، آنسوؤں کا بہنا وغیرہ وغیرہ ان سے اونچے ہیں اور ان حالات پر وہ لوگ انکار کرتے ہیں جن کے قلوب میں قسادت ہے اور دلوں پر زنگ لگ چکے ہیں اور جن کو دین سے بعد ہے۔ یہ طبقہ تو بہت بُرا ہے اور اس کے بالمقابل بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے احوال سب اکمل اور اعلیٰ ہیں، اور یہ دونوں فریق افراط و تفریط میں مبتلا ہیں بلکہ اس میں یقین مرتبہ ہیں، ایک تو حال ظالم النفس کا ہے جو قاسی القلب ہے جس کا دل قرآن کے سننے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نرم نہیں ہوتا اور یہ لوگ یہود کے مشابہ ہیں جن کے بابے میں اللہ جل شانہ نے تَحَرَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ الْآیۃ کہل ہے اور دوسرا طبقہ مؤمن متقی ہے لیکن ان کے قلوب میں ضعف ہے جو واردات کو برداشت نہیں کر سکتے، یہ لوگ یہوش ہو جاتے ہیں یا مر جاتے ہیں

اور یہ حالت وارد کی قوت اور قلب کے ضعف کی وجہ سے ہوتی ہے اور ایسی باتیں امور دنیویہ میں بھی پیش آجاتی ہیں کہ بعض آدمی فرط خوشی سے یا فرط غم سے مر جاتا ہے یا پاگل ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی اس طرف سے کو آہی نہیں ہوتی تو جو حالت ان پر پیش آتی تو ان پر کوئی نگناہ نہیں اور نہ ان پر شک کرنے کی کوئی وجہ ہے جیسے کسی نے قرآن پاک جائز طریقہ سے سنا ہو اور کسی قسم کی زیادتی اس کی طرف سے پیش نہ آئی ہو ایسے میں قلب پر جو حالت طاری ہوتی ہے جس کو سکر اور فنا سے تعبیر کیا جاتا ہو اور اس جیسے اور امور جن سے غیر اختیاری طور پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور ان سب چیزوں میں اگر ان کا سبب ناجائز نہ ہو تو یہ بے ہوشی مذموم نہیں ہے بلکہ معذور ہے۔

اس میں قول فیصل یہی ہے کہ یہ سب احوال، کے اسباب مشروع ہیں اور صاحبِ حال سچا ہے مگر اپنی حالت کو قابو میں رکھنے سے عاجز ہے تو یہ حالت محمود ہے اور غشی وغیرہ میں جو غیر اختیاری طور سے اس سے صادر ہوتی ہے اس میں معذور ہے۔ اور یہ لوگ ان سے زیادہ اکمل ہیں جو اس مرتبہ تک ضعف ایمان یا قساوت قلب وغیرہ اسباب کی وجہ سے نہیں پہنچ سکے۔ لیکن وہ لوگ بھی عقلِ اہل نہیں ہوتی حالانکہ ان کو یہی مرتبہ ایمان کا حاصل ہے تو وہ ان سے زیادہ اکمل اور افضل ہیں اور یہی حال صحابہؓ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لینگے اور وہاں ان کو کیا کیا دکھایا گیا مگر صبح اس حال میں کی کہ کوئی تفسیر نہیں تھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حال حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حال سے افضل تھا جو جبل طور پر تجلی سے غشی کھا گئے۔ بیشک حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حال بہت اونچا

اور جلیل القدر تھا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ان سے بھی افضل و اکمل تھا۔ غرض یہ امور خوف وغیرہ کی زیادتی اور لا بصرہ سے ظاہر ہوئے۔ اور یہ لوگ اکثر صوف پہنتے تھے۔ اس کی طرف منسوب کر کے ان کو صوفی کہنے لگے۔ لیکن ان کا طریقہ صوف پہننے کے ساتھ مقید ہے نہ اس کو وہ واجب کہتے ہیں صرف ظاہر حال کی وجہ سے اس کی طرف منسوب کر دیئے گئے۔ پھر تصوف کے لئے ان کے لئے ان کے نزدیک حقائق ہیں اور احوال مشہورہ ہیں۔ ان لوگوں نے اس کی تعریفات میں اور صوفی کی سیرت وغیرہ میں بہت تفصیل لکھی ہیں مثلاً بعضوں نے کہا ہے کہ صوفی وہ ہے جو کندگی سے پاک ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی فکر میں ڈوب گیا اور اس کے نزدیک سونا اور پتھر برابر ہو گیا اور بعضوں نے کہا ہے کہ تصوف معانی کو چھپانا اور دعاوی کو چھوڑنا ہے۔ اور ایسے ہی اور اقوال بھی ہیں۔ یہ لوگ صوفی سے صدیقی کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں اور انبیاء کے بعد افضل الخلائق صدیقین ہیں۔

یہ تو تصوف کی اصل ہے، اس کے بعد لوگ مختلف ہو گئے اور تین طبقے بن گئے (۱) صوفیۃ الحقائق، ان کا حال تو تفصیل سے اوپر گزر چکا۔

(۲) صوفیۃ الارزاق، جو خانقاہوں میں رہتے ہیں ان میں بہت کم اہل حقائق ہوتے ہیں، لیکن تین شرطیں ان میں بھی ہیں۔ ایک یہ کہ فرائض کو ادا کرتے ہوں اور محارم سے بچتے ہوں۔ دوسرے یہ کہ اہل طریق کے آداب سے متصف ہوں جو اکثر شرعی آداب ہوتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ وہ ضرورت سے زائد دنیا کے ساتھ چپٹے ہوئے نہ ہوں۔ اور جو مال کو جمع کرے، اور اخلاق محمودہ سے متصف نہ ہو، یا فاسق ہو وہ ان میں شمار نہیں ہوتا۔ اور

اشغال و احوال

اشغال میں سب سے بڑا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اور جملہ اذکار میں سب سے اہم کلمہ لا الہ الا اللہ ہے۔ اسی لئے صوفیاء کے یہاں جملہ طرق میں اس کلمہ شریف کا ذکر ضرور کیا جاتا ہے۔ ہیئت اور طریقہ ہر شیخ طریقت کے یہاں مختلف ہوتا ہے، جیسے اطباء کے یہاں دواؤں کی ترکیب میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ مجھے اطباء کے یہاں ایک عجیب چیز دیکھنے کی بڑی نوبت آئی کہ ایک نسخہ کسی بیمار نے کسی طبیب سے لکھوایا اور کوئی فائدہ نہیں ہوا وہ دوسرے طبیب کے پاس گیا اس نے اسی نسخہ کو باقی رکھا صرف اوزان اور ترتیب میں ذرا سا فرق کر دیا، بڑی حیرت ہے کہ دوائیں بدستور، صرف ہیئت کے فرق سے نسخے کے اثر میں فرق پڑ گیا اور یہ متعدد دفعہ مجھے تجربہ کرنے کی نوبت آئی۔

تذکرۃ الرشید ص ۱۱ میں حضرت گنگوہیؒ نے حضرت تھانویؒ کے ایک خط کے جواب میں لکھا ہے کہ اشغال مشائخ کی قیود و تخصیصات جو کچھ ہیں وہ اصل سے بدعت ہی نہیں، اس کو مقیس علیہ ٹھہرا تا سخت حیرانی کا موجب ہے۔ (حضرت تھانویؒ نے مولود کی تخصیصات کو مشائخ کے اشغال کی قیود و تخصیصات پر قیاس کیا تھا) خاص کر تم جیسے خمیدہ آدمی سے کیونکہ تحصیل نسبت اور توجہ الی اللہ تعالیٰ مامور من اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ یہ کلی مشکل ہے کہ ادنیٰ اس کا فرض اور اعلیٰ اس کا مندوب اور صد آیات و احادیث سے مامور ہونا اس کا ثابت ہے۔ اور طرح طرح کے طرق و اوضاع سے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) تیسری قسم رسمی صوفیوں کی ہے جو صرف نام کے صوفی ہیں۔ ان کا مقصد اور منتہائے نظر صرف صوفیاء کا لباس پہننا اور نئے نئے طریقے گھڑنا وغیرہ وغیرہ ہے۔ اور یہ ایسے ہیں کہ جیسا کوئی جاہل علماء کا لباس پہن لے یا کوئی مجاہدین کا لباس پہن لے اور ان کے چند اقوال و اعمال یاد کر لے جس سے جاہل لوگ یہ سمجھیں کہ یہ بھی صوفیاء میں ہے۔ حالانکہ وہ صوفیاء میں سے نہیں ہے۔ فقط۔ مختصراً۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اپنی کتاب حوارف المعارف میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بسندہ یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز کی ایک کنجی ہے اور جنت کی کنجی مساکین اور فقرہ کی محبت ہے۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے جلیس ہیں قیامت میں۔ پس فقر تصوف کی ماہیت میں داخل ہے اور اسی پر اس کا مدار ہے۔

حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کا مدار تین خصلتوں پر ہے۔ فقر و احتیاج کو لازم پکڑنا۔ اور (اللہ تعالیٰ کے راستہ میں) خرچ کرنا اور ایثار کرنا اور دوسروں سے تعرض نہ کرنا اور اپنی پسندیدگی کو چھوڑ دینا۔ حضرت جنیدؒ سے سوال کیا گیا کہ تصوف کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بلا واسطہ۔ اور حضرت معروفؒ فرمے کہ تصوف نام ہے حقائق کو پالنا اور دوسروں کے پاس جو ہو اس سے ناامید ہو جانا، لہذا جس کو فقر نہ ملے اس کا تصوف بھی محقق نہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ستر بصری صحابہؒ کو پایا جو صوف پہنتے تھے۔

نے بلکہ خاص حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے گویا ساری شریعت اجمالاً وہی ہے کہ جن کا بسط بوجہ طول ناممکن ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر آیت و ہر حدیث سے وہی ثابت ہوتا ہے۔ پس چیز کا مامور بہ ہونا اس درجہ کو ثابت ہے، اس کی تحصیل کے واسطے جو طریقہ مشخص کیا جائے گا وہ بھی مامور بہ ہوگا اور ہر زمانہ اور ہر وقت میں بعض مؤکد ہو جائیگا اور بعض غیر مؤکد۔ لہذا ایک زمانہ میں صوم و صلوٰۃ و قرآن و اذکار مذکورہ احادیث اس مامور بہ کی تحصیل کے واسطے کافی وافی تھے۔ اس زمانہ میں یہ اشغال بایں قیود اگرچہ جائز ہے مگر ان کی حاجت نہ تھی۔ بعد چند طبقات کے جو رنگ نسبت کا دوسری طرح پر بدلا اور طبائع اس اہل طبقہ کی بسبب بعد زمانہ خیریت نشان کے دوسرے ڈھنگ پر آگئیں تو یہ اوراد اس زمانہ کے اگرچہ تحصیل مقصود کر سکتے تھے مگر بدقت و دشواری لہذا طبیبان ماطنی نے کچھ اس میں قیود برہائیں اور کمی و زیادتی اذکار کی کی۔ گویا کہ حصول مقصود ان قیود پر موقوف ہو گیا تھا لہذا ایجاد بدعت نہ ہوا۔ بلکہ اگر کوئی ضروری کمدیوے تو بچا ہے۔ کیونکہ حصول مقصود بغیر اس کے دشوار ہوا۔ اور وہ مقصود مامور بہ تھا اس کا حاصل کرنا بہر تہ خود ضروری تھا پس گویا قیود مامور بہ ہوئیں نہ بدعت۔ بعد اس کے دوسرے طبقہ میں اسی طرح دوسرا رنگ بدلا اور وہاں بھی دوبارہ تجدید کی حاجت ہوئی۔ تم و تم جیسا کہ طبیب مہم سرماییں ایک علاج کرتا ہے کہ وہ علاج موم گرما میں مفید نہیں ہوتا بلکہ حصول صحت کو بعض اوقات مضر ہو جاتا ہے۔ اور باعتبار اختلاف زمانہ کے تدبیر علاج اوّل دوسرے وقت میں بدلی جاتی ہے۔ جو معالجات کہ سو برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور جو کچھ کہ کتب سابقین میں لکھے ہوئے ہیں اب ہرگز وہ کافی نہیں۔ ان کا بدل ڈالنا کتب طب کے اصل قواعد کے موافق ہے اگرچہ علاج جزوی کے مخالف ہو۔

پس اس کو فی الحقیقت ایجاد نہ کہا جاوے گا۔ بلکہ تعمیل اصل اصول کی قرار دی جائے گی۔ دوسری نظیر اعلائے کلمۃ اللہ ہے جس کو جادکتے ہیں بتامل و دیکھو کہ طبقہ اولیٰ میں تیر اور نیزہ اور سیف بلکہ پتھر بھی کافی تھا۔

احادیث سے آپ کو معلوم ہے اور اس زمانہ میں استعمال ان آلات کا سرسر مضر اور ایجاد توپ اور بندوق اور تار پیڈ و کاوا واجب ہو گیا۔ کیونکہ تحصیل اعلائے کلمۃ اللہ بدون اس کے محال اب ان ایجادات کو نہ کوئی بدعت کہہ سکے اور نہ تشبہ بکفار کہہ کر حرام بنا سکے بلکہ اس کو فرض اور واجب اور مامور بہ کہنا ہوگا۔ کیونکہ تحصیل مقصود اس پر موقوف سی ہو گئی ہے۔ پس یہ بھی مامور بہ ہو گیا۔ علیٰ ہذا القیاس اشغال کا حال ہے۔ فقط۔

اذکار میں سب سے اہم کلمہ طیبہ ہے حضرت ابوسعید غدیریؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ورد تعلیم فرمائیے جس سے آپ کو یاد کیا کروں اور آپ کو پکارا کروں۔ ارشاد خداوندی ہوا کہ لا الہ الا اللہ کہا کرو۔ انھوں نے عرض کیا اے پروردگار یہ تو ساری ہی دنیا کہتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ لا الہ الا اللہ کہا کرو۔ عرض کیا کہ میرے رب میں تو کوئی ایسی مخصوص چیز مانگتا ہوں جو کہ مجھ ہی کو عطا ہو۔ ارشاد ہوا کہ اگر ساتویں سال اور ساتویں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسری طرف لا الہ الا اللہ کور کھدایا جائے تو لا الہ الا اللہ کا پلڑا اٹھک جائے گا۔

اس ناکارہ کے رسالہ فضائل ذکر میں کئی حدیثیں لا الہ الا اللہ کی فضیلت کی اور اہمیت کی ذکر کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی ہے۔ حضرت جابرؓ سے منقول

ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ نے فرمایا کہ افضل الذکر لا الہ الا اللہ ہے۔

علامہ علی قادریؒ فرماتے ہیں اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تمام ذکر وں میں افضل اور سب سے بڑھا ہوا ذکر کلمہ طیبہ ہے کہ یہی دین کی وہ بنیاد ہے جس پر سارے دین کی تعمیر ہے اور یہ وہ پاک کلمہ ہے کہ دین کی چٹکی اس کے گرد گھومتی ہے۔ اسی وجہ سے صوفیہ و عارفین اس کلمہ کا اہتمام فرماتے ہیں اور سائے اذکار پر اس کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی جتنی ممکن ہو کثرت کراتے ہیں کہ تجربہ سے اس میں جس قدر فوائد اور منافع معلوم ہوئے ہیں کسی دوسرے میں نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایمان کی تجدید کیسے کریں۔ ارشاد فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔ مشائخ سلوک اور اطباء روحانی، جسمانی طبیبوں کی طرح سے مختلف بیماریوں کو مختلف طریقوں سے اس کا ذکر بتاتے ہیں۔ مشائخ چشتیہ کے یہاں بارہ تسبیح کا ذکر بہت مشہور ہے۔ اس میں پہلے دو تسبیحیں لا الہ الا اللہ کی ہیں، چار تسبیحیں الا اللہ کی، پھر تین تسبیحیں اللہ اللہ کی اور آخر میں ایک تسبیح صرف اللہ کی۔ حضرت تھانویؒ انکشاف ص ۲۷ میں فرماتے ہیں۔

”صرف الا اللہ کے ذکر پر بعض کا یہ اعتراض ہے کہ مستثنیٰ بدوئل منہ اور عامل کے عبارت بے معنی ہے۔ ایسا ذکر بے معنی نہ معتد بہ ہے نہ موجب اجر۔ پس عبت ہوا پھر کیوں یہ اختیار کیا گیا۔ سو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ کے موقع پر خطبہ میں یہ ارشاد فرمانا کہ اس کا گھاس نہ کاٹا جائے اس پر حضرت عباسؓ کا یہ عرض کرنا کہ ”یا رسول اللہ الا الاذخر“ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمانا ”الا الاذخر“ اس سے جواز حذف عامل و مستثنیٰ منہ کا

وقت قیام قرینہ کے معلوم ہوتا ہے۔ پس الا اللہ میں بھی اس قرینہ سے کہ اس کے قبل لا الہ الا اللہ کا ذکر ہو چکا ہے یا بقرینہ عقیدہ ذاکر کے مستثنیٰ منہ عامل حذف کر دیا تو کیا حرج ہے۔ اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے قبل جولا الہ الا اللہ کہا گیا ہے اس میں صرف الا اللہ کو مکرر لایا گیا اس کا عامل اور مستثنیٰ منہ ہر بار مراد ہوگا، اور تاکید کیلئے جو تکرار کیا جاتا ہے، کوئی دلیل اس کی تحدید پر قائم نہیں ہو سکتی۔ اہتمام ہوگا اتنا تکرار مستحسن اور مقتضائے مقام ہوگا۔ چنانچہ بعض روایات میں بعض مضامین کی نسبت ہے ما زال یکررہا حتی ودنا انہ سکت او نحوه (یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ ہمارا جی چاہتا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہتے۔)

احادیث میں کثرت سے اس کی نظائر موجود ہیں حضرت اسامہؓ کے ایک آدمی کے قتل کرنے کے قصہ میں جس کو انھوں نے منافق سمجھ کر قتل کر دیا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار یوں فرمانا کہ قیامت میں جب لا الہ الا اللہ لایا گیا تو اس کا کیا جواب دو گے، بار بار اس کو فرمایا (مشکوٰۃ ص ۲۹۹)

مشکوٰۃ میں کتاب الجہاد ص ۳۳۳ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک اور بات بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے بندے کے مورد جہ جہ بلند فرما دینگا اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان، صحابی نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الجہاد فی سبیل اللہ، الجہاد فی سبیل اللہ، الجہاد فی سبیل اللہ تین مرتبہ۔ سینکڑوں حدیثیں کتب حدیث میں موجود ہیں جو حدیث پڑھنے پڑھانے والوں کے مخفی نہیں ہیں

جن میں ایک ہی لفظ کا تکرار کیا گیا ہے۔

اسی طرح لفظ اللہ اللہ پر بعض لوگوں کو اعتراض ہے کہ صرف اللہ اللہ کہنا لفظ مفرد ہے اس لئے نہ کسی معنی خبری کو مفید ہے نہ معنی انشائی کو، پھر اس ذکر بے معنی سے کیا فائدہ؟ مگر حدیث میں خود اسی ازرا کے ساتھ اس نام پاک کو معقول بتایا گیا ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایسی حالت ہو جائے گی کہ دنیا میں اللہ اللہ نہ کہا جائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض اس کا تکرار بھی مشروع ہے اور معنی کچھ خبر اور انشاء میں منحصر نہیں۔ اگر اس سے تبرک استحضار محض ہی مقصود ہو تو بے معنی اور غیر مفید کیوں ہوگا؟ ارشاد خداوندی واذکر اسم ربک ظاہراً الفاظ سے محض اسم کے ذکر کو بھی عام ہے۔ نیز یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ صرف ندا محذوف ہو اور حذف ندا شائع اور مشہور ہے۔ یہ ندا شوق اور نام کے ساتھ تلمذ کی وجہ سے ہوئی ہے (التکشف ص ۱۷۲)

اور حضرت تھانویؒ نے بواہر میں لکھا ہے کہ اس باب میں قول محقق جو تکلف سے بعید ہے یہ ہے کہ جس طرح قرآن پڑھنے میں کبھی تو تلاوت مقصود ہوتی ہے اور اس وقت اس کے طریقی کا منقول ہونا شرط ہے اور غیر منقول کا اختیار کرنا بدعت۔ اور کبھی محض ذہن اور حافظہ میں اس کا مستحضر اور راسخ کرنا مقصود ہوتا ہے۔

اس میں اتباع منقول کا کرنا لازم نہیں مثلاً ایک شخص ایک ایک مفرد کا تکرار کر کے یاد کرتا ہے، ایک شخص ایک ایک جملہ کا، ایک شخص ایک ایک آیت کا، یہ سب جائز ہے۔ اس کاوش کی ضرورت نہیں کہ اس میں سلف

کا کیا طریق تھا اسی طرح عبادت ذکر سے کبھی خود ذکر مقصود بالذات ہوتا ہے اس ہیئت کا منقول ہونا شرط ہے اور کبھی ذہن میں کسی خاص مطلوب کا استحضار اور راسخ ہونا شرط ہے اس عبادت کا تعلق ہوا اس میں اس ہیئت کا منقول ہونا شرط نہیں پس لا اللہ اور اسم جلالہ کے تکرار متادئے مقصود بالذات ذکر نہیں بلکہ ایک خاص مطلوب کا استحضار مقصود ہے اور وہ خاص مطلوب فناء علمی غیر اللہ اور توحید الی اللہ میں تدریجاً ترقی کرنا ہے۔ چنانچہ ابتداء میں کثرت مشہود ہوتی ہے اس لئے لا الہ الا اللہ سے اس مشہود کی نفی کر کے اس کو راسخ کیا۔ پھر جب اس نفی میں ایک درجہ گویا کامیابی ہو گئی تو محض ثبوت ذات کو ذہن میں راسخ کرنے کے لئے الا اللہ کا تکرار کیا۔ پھر ثبوت بھی ایک نسبت حکمی تھی، اس سے بھی نظر اٹھا کر صرف ذات کا تصور ذہن میں راسخ کرنے کیلئے اسم جلالہ کا تکرار کیا جس کی مزا ولت سے قلب میں غیر مطلوب سے بے التفاتی اور حضرت مطلوب کی طرف خالص التفات میں بلکہ راسخ ہو کر پھر ذکر کامل کا حق ادا کر کے خوب مقصود حاصل کرتا ہے گا۔

بفضلہ تعالیٰ اس تقریر سے سب اشکالات رفع ہو گئے اور اس کے بدعت ہونے کے حکم کا قلت تدبر سے ناشی ہونا ثابت ہو گیا۔ والحمد لله على ما القى وافهم ولفن والهم۔

اب صرف یہ سوال باقی رہ گیا کہ تو کیا اس صورت میں اس طریقی نے ذکر کرنے سے ثواب نہ ملیگا۔ اس کے جواب میں ہم پوچھیں گے کہ کیا جو شخص قرآن یاد کرنے کیلئے ایک ایک لفظ کا تکرار کر رہا ہے اُس کو اس یاد کرنے سے ثواب

ملیگا۔ جو اس کا جواب ہے وہی اس کا جواب ہے۔ اور قواعد پر نظر کرنے سے دونوں کا مشترک جواب یہ ہے کہ گو تلاوت و ذکر کا ثواب نہ ملے، لیکن تلاوت کا ملہ کیلئے سعی و تیاری کرنے کا اور ذکر کا ملہ کیلئے سعی و تیاری کرنا ثواب ملے گا۔ فقط۔

پاسِ آنفاس

پاسِ آنفاس بھی مشائخ سلوک کے یہاں اہم اشغال میں ہے جس میں سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، جس کے مختلف طریقے ہیں جو مشائخ سلوک کے یہاں متعارف ہیں۔ عمل تو اپنے شیخ کی تجویز پر کرنا چاہیے لیکن اتنا سب میں مشترک ہے کہ ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر ہوگا۔ مشائخ سلوک کی تعلیمات میں اس پر خاص زور دیا جاتا ہے۔

شفار العلیل ص ۵ میں لکھا ہے کہ طریقت کے بزرگوں نے کہا ہے کہ اس کا بڑا اثر ہے نفس خطرات میں اور وسوساں کے دور ہو جانے میں چنانچہ کسی عارف نے فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تو پاسِ آنفاس کا اہتمام کرے تو تجھے یہ بادشاہ تک پہنچا دیگا۔ ضیاء القلوب میں لکھا ہے کہ انسان کو ہر سانس پر ہوشیار اور بیدار رہنا چاہیے اور بنفسیہ پاسِ آنفاس کی مدد کے انسان کا قلب کدورتوں اور تاریکیوں سے ہرگز صاف نہیں ہو سکتا..... چونکہ یہ ذکر قلب کو بالکل صاف اور کدورتوں سے بالکل پاک کر کے انوار الہیہ کا مضبوط بنا دیتا ہے۔ اس وجہ سے اس کو اصطلاح صوفیہ میں جاروبِ قلب کہتے ہیں۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ مکتوبات ج ۱ ص ۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں:

”پاسِ آنفاس سے اصلی غرض یہ ہے کہ انسان کا کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ رہے۔ نہ اندر جانے والا سانس

تصویر شیخ

اسی کو شغل رابطہ بھی کہتے ہیں اور برزخ اور واسطہ بھی کہتے ہیں (تعلیم الدین) یہ مشائخ سلوک کے یہاں بہت اہم اشغال میں ہے مشائخ نے بہت سے فوائد اس کے تحریر کئے ہیں۔ بعض اکابر نے اس کو مطلقاً ناجائز کہا ہے۔ یہ تو بندہ کے نزدیک صحیح نہیں۔ اس لئے کہ بہت سی احادیث سے تصویر شیخ مستفاد ہوتا ہے۔ اس لئے جو حضرات اس کو مطلقاً ناجائز کہتے ہیں وہ تو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ محرم کے خوشبو لگانے کے بارے میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کافی انظر الی و بیص الطیب فی مفارق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ گویا میں اس وقت خوشبو کی چمک کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں دیکھ رہی ہوں۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت جس کو التکشف ص ۶۷ میں بخاری و مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کافی انظر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث وہ فرماتے ہیں کہ میں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک نبی کی انبیاء میں سے حکایت فرماتے تھے جن کو ان کی قوم نے مارا تھا الخ۔ ابو داؤد میں باب ماجاء فی خاتم الحدید میں حضرت علیؓ کی حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھا کرو اللہم اھدنی وسددنی اور جب ہدایت کا لفظ کہا کرو تو راستہ کی ہدایت کا تصور کیا کرو اور جب سدّ دنی

نہ باہر نکلنے والا سانس۔ انسان دن رات میں نقصاناً بچتیں ہزار سانس لیتا ہے (ارشاد مرشد میں جو بتیں ہزار لکھا ہے) سب سے بڑا نقصان ہے۔ عجز و عجز کا جو حصہ بھی ذکر میں گزرتا ہے وہی زندگی ہے اور وہی مفید ہے۔ حدیث میں باب صفة الجنة والہما میں طویل حدیث میں اہل جنت کے اصول ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ تسبیح و تحمید کا ایسا الہام کئے جائیں گے جیسے بلا اختیار تم کو سانس آتا ہے محشی نے مرقاة سے نقل کیا ہے کہ وہ حضرات تسبیح تہلیل سے نہ تھکیں گے جیسے تم سانس سے نہیں تھکتے ہو اور جیسے سانس لیتے ہوئے دوسرے حکام میں رکاوٹ نہیں ہوتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ذکر ان کی صفت لازم بن جائیگی جیسا کہ سانس زندگی کیلئے صفت لازم ہے (مشکوٰۃ ص ۲۹۱)

کہا کہ تو تیرے سیدھا ہونے کا تصور کیا کرو، سیدی و مرشدی اس کی شرح بذل المجہود میں تحریر فرماتے ہیں کہ اپنے دل میں ہدایت طریق سے تصور کیا کر جیسا چلنے والا سیدھا راستہ میں چلتا ہے اور دائیں بائیں نہیں مڑتا، اگر مڑ جائے تو مقصود تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح ہدایت میں تصور کرو کہ مقصود تک پہنچنا سیدھے چلنے پر موقوف ہے، اور سدا د کے لفظ سے تیر کا سیدھا ہونا تصور کیا کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ مجھے سیدھا کر دیں کہ ذرا بھی مجھ میں ٹیڑھاپا نہ ہے۔ اور حضرت گنگوہیؒ کی تقریر ابو داؤد میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تصور کا اس لئے حکم فرمایا کہ خیالات منتشر نہ ہوں۔ نیز محو متا میں تفکر کرنا معقولات میں تصور کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے وقت راستہ اور تیر کے سیدھا پن کو اس لئے فرمایا تاکہ اس کے دل میں اور خطرات نہ آویں۔ اور اس میں تصور شیخ کے جواز کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ شیخ کا مرتبہ اللہ کے نزدیک تیرے کیا گزرا نہیں۔ اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ تصور کرنے کے وقت شیخ کی محبت دل میں آجائے۔ ہاں البتہ یہ مضر ہوگا۔ اگر تصور کرتے وقت شیخ کو امر باطن میں متصرف تصور کرے یا یہ سمجھے کہ وہ حاضر ہے یا یہ سمجھے کہ شیخ کو اس کا حال معلوم ہے۔ اسی واسطے مشائخ میں تصور شیخ کے بارے میں اختلاف ہو گیا اور یہ اختلاف نزاع لفظی ہے جس نے جائز بتایا اس کی مراد پہلا درجہ ہے اور جس نے ناجائز بتایا اس کی مراد دوسرا درجہ ہے، یعنی شیخ کو حاضر ناظر سمجھنا۔ لیکن متاخرین علما نے جب دیکھا کہ یہ عوام کے فساد عقیدہ تک پہنچ جاتا ہے تو مطلقاً منع کر دیا اور یہی حق ہے حالات کے اعتبار سے۔ فقط۔

حدیث کی کتابوں میں بہت سی روایات اس مضمون کی ہیں۔ حیاۃ البصا صحنہ میں باب حقیقۃ الایمان میں ہے کہ حضرت حارث بن مالک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیسے صبح کی؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ مومن حق ہونے کی حالت میں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا حقیقت ہی تمہارا ایمان حق کی؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے دنیا سے منہ پھیر لیا۔ اور گویا میں اپنے رب کے عرش کو دیکھ رہا ہوں، اور گویا میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں، اور گویا میں اہل دوزخ کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے قلب کو اللہ تعالیٰ نے منور کر دیا ہے۔ دوسری روایت میں حضرت معاذ بن جندبؓ بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے صبح ایمان کی حالت میں کی، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں جب صبح کرتا ہوں تو شام کی امید نہیں ہوتی اور گویا میں دیکھتا ہوں ہر امت کو کہ گھٹنوں کے بل پڑی ہے اور اپنی کتاب کی طرف بلائی جا رہی ہے اور ان کے ساتھ ان کا نبی بھی ہے اور وہ بت بھی ہیں جن کو وہ پوجا کرتے تھے، اور گویا میں جہنم والوں کے عذاب اور جنت والوں کے ثواب کو دیکھ رہا ہوں۔

شمائل ص ۳۳ میں حضرت عون بن ابی جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ آپؐ سرخ چوڑا تھا گویا اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پنڈلیوں کی چمک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اسی طرح حضرت انس کی روایت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کے بائے میں ہے کہ گویا جس کی سفیدی اب بھی میری نظر کے سامنے پھر رہی ہے۔

سینکڑوں روایات تصور سے متعلق کتب حدیث میں موجود ہیں اس لئے مطلقاً تصور شیخ کو ناجائز کہنا تو مشکل ہے البتہ یہ اگر مفسی ہو جائے کسی غیر مشروع امر کی طرف تو پھر اس کو ممنوع قرار دیا جائے گا۔ ورنہ دفع خطرات کیلئے یا عشق مجازی میں پھنسے ہوئے کیلئے تصور شیخ اکسیر اعظم ہے۔

تعلیم الدین ص ۱۶۷ میں لکھا ہے کہ کتب فن میں اس قدر مذکور ہے کہ شیخ کی صورت اور اس کے کمالات کے زیادہ تصور کرنے سے اس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور نسبت قوی ہوتی ہے اور قوت نسبت سے طرح طرح کی برکات حاصل ہوتی ہیں اور بعض محققین نے تصور شیخ میں صرف یہ فائدہ فرمایا ہے کہ ایک خیال دوسرے خیال کا دافع ہوتا ہے اس سے کیسوی میسر ہو جاتی ہو اور خطرات دفع ہو جاتے ہیں۔

بہر حال اس میں جو کچھ حکمت اور فائدہ ہو راقم (حضرت تھانوی) کا تجربہ ہے کہ شیغل خواص کو تو مفید ہوتا ہے اور عوام کو سخت مضر کہ صورت پرستی کی ذمہ داری آجاتی ہے۔ اسی واسطے امام غزالی وغیرہ محققین نے عوام اور اغبیاء کے لئے ایسے شغل کی تعلیم سے منع فرمایا ہے جس سے کشف وغیرہ ہوتا ہو۔ اس لئے عوام کو تو بالکل اس سے بچانا چاہیے اور خواص اگر کریں تو احتیاط کی حد تک محدود رکھیں، اس کو حاضر و ناظر اور ہر وقت اپنا معین و دستگیر نہ سمجھ لیں کیونکہ کثرت تصور سے کبھی صورت مشالہ رو برو حاضر ہو جاتی ہے کبھی تو وہ محض خیال ہوتا ہے اور کبھی کوئی لطیفہ فیضی اس شکل متماثل ہو جاتا ہے اور شیخ کو اکثر اوقات خبر تک بھی نہیں ہوتی۔ اس مقام پر اکثر

ناواقف لوگوں کو لغزش ہو جاتی ہے۔ انتہی۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے مکتوبات ص ۳۲ میں لکھا ہے کہ پر تحریر فرمایا ہے:-
”تصور شیخ دوسرے اور پریشان خیالات سے بچاتا ہے تصور شیخ سے عجیب غریب کیفیات پیدا ہوتی ہیں اور شیخ کو خبر بھی نہیں ہوتی اور نہ وہ مدبر کو کوئی تعلیم یا نفع پہنچا سکتا ہے نہ اس کی توجہ مدبر کی طرف ہوتی ہے بلکہ یہ فطری اثرات ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے شیطانی دوسروں کو بچنے کا ذریعہ بنایا ہے اور برکات یہ دانی کے زول کا باعث گرد آئے چونکہ عوام الناس کے قدم اس راہ میں لغزش کرتے ہیں اس لئے حکماء اہل سنت نے اس مسئلہ میں احتیاط سے کام لیا ہے ورنہ شرعاً اس کی اجازت اور روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے“ اھ۔

حضرت مدنی دوسرے مکتوب ص ۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”شغل برزخ کو اگرچہ شاہ اسماعیل صاحب قدس سرہ العزیز نے صمداً للذریعہ منع فرمایا ہے مگر حضرت شاہ عبدالغنی مجددی سی مجھ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ اس کو منع نہیں فرماتے تھے۔ ان سے بعض حضرات نے اس کے جواز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے امام حسن کی اس روایت کے الفاظ کو استدلال میں پیش فرمایا جس میں حضرت حسن نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپے کو چھنے کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ میں ان سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا (جسمانی اعضاء اور رنگ وغیرہ) کی بابت دریافت کرتا رہا تھا، اتعلق بہ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے

کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برزخ اور مثال کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا مقصود ہے اور یہی شکل برزخ ہے۔“ اھ۔
یہ حدیث شمالی ترمذی میں بہت مفصل موجود ہے جسے ترجمہ دیکھنا ہواں
ناکارہ کار سالہ خصائل نبویؐ دیکھے، اس کے فوائد میں لکھا ہے :-

”مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصاف جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں ان کے بیان کو اپنے لئے محبت اور سند بناؤں اور ان اوصاف جمیلہ کو ذہن نشین کرنے اور ممکن ہو سکے تو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں۔“

حضرت مدنیؒ نے مکتوبات ۸۳۳ میں دوسری جگہ تحریر فرمایا ہے کہ :-
”کسی صورت کو ذہن میں جملنے اور حاصل کرنے کو لغت میں تصور کہتے ہیں، خواہ وہ صورت جائزہ کی ہو یا غیر جائزہ کی، خواہ معمولی شخص کی ہو یا غیر معمولی شخص کی، کسی بزرگ اور ولی کی ہو یا اپنے مرشد، باپ ماں کی، خواہ اس صورت سے نفع کی امید ہو یا نہ ہو مگر عرف میں تصور شیخ کسی مقدس اور بزرگ کی صورت کو ذہن میں دھیان لانے اور جملنے کا نام ہے۔ بالخصوص اپنے مرشد کے شخص اور چہرے کو خیال میں جملنے اور حاصل کرنے کو تصور شیخ کہتے ہیں۔ ذہن میں اپنے مرشد کی تصویر اور مثال کو جمانا اور حاصل کرنا بالاتفاق جائز ہے بلکہ مفید بھی ہے صحابہ کرامؓ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا ہے حضرت امام حسنؑ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال اور سراپا کو اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہؓ سے بار بار پوچھا کہ اپنے ذہن میں جمایا ہے۔ اور

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ وغیرہم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شکل و صورت اور لباس وغیرہ کو صحابہ کرامؓ کے سامنے ذکر فرمایا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اکابر کی صورت اور شکل کو مخاطبین کے دماغ میں تمشل اور جگہ دینا مقصود ہے۔“

اس کے بعد حضرت مدنیؒ نے متعدد روایات ذکر کی ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا علیہ، نقشہ وغیرہ ذکر فرمایا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال میں وارد ہے کہ :-
”..... وہ گندمی رنگ، گھنگھریلے بالوں والے، سُرخ اُونٹ پر گویا میں اس وقت اُن کو دیکھ رہا ہوں کہ وادی میں اُتر رہے ہیں۔“

متعدد روایات نقل کر کے ارشاد فرمایا ہے کہ اس قسم کی روایات صحاح میں بکثرت ہیں جن سے نہ صرف تصور شیخ کی اباحت نکلتی ہے بلکہ اس میں بہتری اور اولویت بھی معلوم ہوتی ہے اور کسی نہ کسی قسم کے فیض اور نفع کا ترشح ہوتا ہے ورنہ شائع علیہ السلام کی طرف سے یہ معاملہ نہ کیا جاتا بلکہ ممانعت ظاہر ہوتی۔ ان ہی منافع کی وجہ سے زمانہ سابق میں اہل فراست اور مقدس حضرات نے تصور شیخ کو معمول قرار دیا اور مقدس سمجھ کر اس سے عظیم الشان منافع کی اسکیم بنائی۔

حضرت قطب العالم مولانا الحاج امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز اپنے خلیفہ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نافوٹویؒ کو تحریر فرماتے ہیں (اصل خط فارسی میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے) :-

”اگر فرصت ہو تو نماز صبح یا مغرب یا عشاء کے بعد علیحدہ کسی حجرہ وغیرہ میں بیٹھیں اور دل کو تمام خیالات سے خالی کر کے اس طرف متوجہ ہوں اور تصور کریں کہ گویا اپنے شیخ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور فیضان الہی شیخ کے سینہ سے میرے سینہ میں آ رہا ہے۔ اگر دل لگے اور ذوق و شوق ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ذکر نفی و اثبات میں جہد متوسط کے ساتھ مشغول ہو جائیں۔ ایک دو گھنٹہ کم زیادہ شیغل رکھیں۔“

نیز ایک دوسرے والا نامہ میں حضرت نانوتویؒ کو لکھتے ہیں (یہ بھی اصل خط فارسی میں ہے) :-

”اگر صبح یا مغرب کی نماز کے بعد فرصت ہو تو لمحہ دو لمحہ مراقبہ میں اور ایسا خیال کریں کہ گویا اپنے مرشد کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور مرشد کے قلب سے میرے قلب میں کوئی چیز آ رہی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ اور (یعنی حاجی صاحبؒ کی طرف سے بھی آپ کی جانب توجہ ہوگی۔ اگر فضل الہی شامل حال ہوا تو فائدہ ہوگا۔ اطمینان رکھیں۔“

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ قول جمیل میں ارشاد فرماتے ہیں :-

”مشائخ چشتیہ نے فرمایا ہے کہ رکن اعظم دل کا لگانا اور کانٹھنا ہے مرشد کے سامنے محبت اور تعظیم کی صفت پر اور اس کی صورت کا ملاحظہ کرنا۔ میں کہتا ہوں حق تعالیٰ کے مظاہر کثیر ہیں۔ سو نہیں کوئی عابد غیبی ہو یا ذکی مگر اس کے مقابل ظاہر ہو کر اس کا مبدود ہو گیا ہو۔ بحسب مرتبہ اس کے اور اس کے بھید کے سبب سے رو قبلہ ہونا اور

استواء علی العرش کا شرح میں نازل ہوا ہے۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے منہ کے سامنے نہ تھو کے، اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ ہے اس کے درمیان اور اس کے قبلہ کے درمیان میں تو اسے سالک تجھ پر کچھ مضائقہ نہیں ہے اس میں کہ تو متوجہ نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اور اپنا دل نہ لگائے مگر اسی سے اگرچہ ہر عرش کی طرف متوجہ ہو کر اور اسی کے نور کا تصور کر کے چلو جس کو حق تعالیٰ نے عرش پر رکھا ہے اور وہ نہایت روشن رنگ ہے چاند کے رنگ کے مانند یا قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے تو اس حدیث کا گویا بامراقبہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔“

پھر آگے طویل کلام کے بعد حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں :-

”یہ طریقہ تصور شیخ اسلاف کرام سے جاری اور شمس نفاج قویہ چلا آتا تھا مگر بعد کو لوگوں نے افراط اور غلو سے کام لیا اور ایسی ایسی چیزیں ملانی اختیار کیں جو کہ ضرر دینے والی اور صراط مستقیم کی دور کرنے والی ہیں۔“

اس کے بعد حضرت نے فتاویٰ رشیدیہ سے چار پانچ فتاویٰ اور حضرت نانوتویؒ کے چند مکاتیب نقل فرما کر تحریر فرمایا ہے :-

”خلاصہ یہ ہے کہ خطرات کے دور کرنے اور خیالات کو جمع کرنے اور بہتت کو قوی بنانے کی عبادات میں جس قدر اہمیت ت :- محتاج بیان نہیں ہے اور چونکہ تصور شیخ کی تاثیر اس امر میں بتی

ہے سجادہ زنگیں کن گرت پیر مغان گو یہ

کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلیں

توسید صاحب نے جواب دیا آپ کی مصیبت کا حکم دیجئے کہ کونسا یہ تو مصیبت نہیں بلکہ شرک ہے یہ تو گوارا نہیں۔ شاہ صاحب نے یہ سن کر ان کو گلے سے لگا لیا کہ اچھا ہم تم کو طریق نبوت کے چلیں گے۔ تم کو طریق ولایت سے مناسبت نہیں ہے۔ اس شعر کے متعلق آپ بیتی میں ایک قصہ لکھا ہے جو میں نے اپنے اکابر سے سنا ہے، شعر کا ترجمہ یہ ہے۔ ”جا، نماز کو شراب سے زنگیں کر لے، اگر پیر مغان حکم لے کہ سالک بے خبر نہیں ہوتا منزلوں کے راستہ سے“

اس شعر کے متعلق ایک شاگرد نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے مطلب پوچھا، اول تو حضرت نے فرمایا کہ تم اپنے پڑھنے پڑھانے میں لگو تمہیں ان چیزوں سے کیا واسطہ۔ مگر جب اس نے اصرار کیا تو حضرت نے اپنے پاس سے دس روپے دیئے اور فرمایا کہ فلاں سرے میں چلے جاؤ اور خواہہ سرے سے معلوم کر لو کہ کوئی لڑکی خالی ہے یا نہیں۔ اول تو مولوی صاحب بہت سوچ میں پڑے مگر چونکہ خود ہی استفسار کیا تھا اس لئے تعمیل حکم میں گئے، خواہہ سرے نے کہا کہ ایک بہت حسین لڑکی ابھی آئی ہے فلاں کو ٹھہری میں ہے اس سے میں بات کر کے آتا ہوں۔ وہ گیا اور اس سے کہہ کر اس کو راضی کر کے آکر کدیا کرتا کو آجائیں۔ یہ رات کو پہنچے تو وہ لڑکی نہایت سرسبز کائے بیٹھی رو رہی تھی۔ یہ بہت حیرت میں پڑ گئے۔ انہوں نے بہت زیادہ اصرار سے کہا کہ میں نے کوئی جبر نہیں کیا، کوئی زبردستی نہیں کی، مگر وہ ہچکیاں مار کر روئے لگی۔ یہ مولوی صاحب مصیبت میں پھنس گئے۔ ایک گھنٹہ کے بعد اس عورت نے

دو جہرہ نیند ہے اس لئے تجر باد نسوس نے اکابر امت کو اس طرح کے جاری کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ امت کو اس سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے، مگر چونکہ متاخرین غلط کاروں نے اس میں مخطورات اور ناجائز اشیاء داخل کر دیں۔ مثلاً شیخ کو ہر جگہ حاضر و ناظر اعتقاد کر لیا اس کے تصورات توجہ الی الشیخ ہیں اس قدر نہ ہر جگہ ہو جانا کہ مقصود حقیقی اور محبوب حقیقی سے مستغنی اور غافل ہو جائے، یا شیخ کو مثل کعبہ ہر نماز میں نما۔ اور توجہ الیہ نہ لینا یا باطن مرید میں شیخ کو متصرف سمجھنے لگنا یا اس صورت کی اور شیخ کی حد سے زیادہ تعظیم کرنے لگنا یا اس سے ناعاقبت اندیشیوں یا احمقوں کا صورت پرستی حقیقی اختیار کرنا جیسے مختلف مبتدع پیروں کے یہاں رائج ہو گیا ہے، اس لئے سمجھدار اکابرین پر لازم ہو گیا کہ اس پر فکر فرماویں اور ذریعہ شرک اور کفر کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ بہر حال یہ عمل مطلقاً ممنوع ہے نہ مطلقاً ضروری ہے۔ فتویٰ دینے اور عمل کرنے میں غور و فکر اور سوچ سمجھ سے کام لینا چاہئے۔“ واللہ اعلم

تنگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۸ نومبر ۱۳۵۵ھ

ارواح ثلاثہ میں حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہ کے حالات میں لکھا ہے کہ سید صاحب رائے بریلوی جب شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں تھے تو شاہ صاحب نے شغل رابطہ بتایا تو سید صاحب نے اس شغل سے عذر فرما دیا اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ

بتایا کہ میں تم رسیدہ ہوں، مظلوم ہوں کئی دن کا فاقہ ہے، پاؤں پھر رہی ہوں، میرا خاوند مجھے چھوڑ کر چلا آیا، ان کا کہیں پتہ نہیں چلا، دو تین ماہ سے ان کی تلاش کرتی پھر رہی ہوں۔ اُس نے خاوند کا نام پوچھا، جگہ پوچھی، معلوم ہوا کہ اس کے خاوند ہی مولوی صاحب تھے۔ اُنھوں نے کہا ذرا منہ کھول کر سر اٹھا۔ جب اُس نے سر اٹھایا تو ایک نے دوسرے کو پہچان لیا کہ علم کے شوق میں گھر سے چھپ کر بھاگ آئے تھے۔ رات بھر مولوی صاحب نے وہاں قیام کیا۔ صبح کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت شعر بالکل سچ ہے۔

اس نوع کے اور بھی میرے اکابر سے قصے سنئے ہوئے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ کہنے والا واقعی پیرِ مغان..... اور جامعِ شریعت و طریقت ہو، واقفِ رموزِ اسرارِ الہی ہو۔ ہر مدعی بزرگی کا یہ کام نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ جوش میں تھے اور تصورِ شیخ کا مسئلہ درپیش تھا۔ فرمایا کہ کدوؤں؟ عرض کیا گیا فرمائیے۔ پھر فرمایا کہ کدوؤں؟ عرض کیا گیا فرمائیے، پھر فرمایا کہ کدوؤں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے! تو فرمایا کہ تین سال کا بھل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے اُن سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ پھر اور جوش آیا تو فرمایا کدوؤں؟ عرض کیا گیا ضرور فرمائیے! فرمایا کہ اتنے سال (ناقل کو مقدار یاد نہیں رہی کہ خالصتاً نے کتنی بتائی تھی) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں ہے اور میں نے کوئی بات بغیر آپ سے پوچھے نہیں کی۔ یہ کہہ کر اور جوش ہوا۔ فرمایا کہ اور کدوؤں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے مگر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس

یہنے دو۔ اگلے دن بہت سے اصراروں کے بعد فرمایا کہ بھائی پھر احسان کا مرتبہ رہا۔ اس پر حضرت حکیم الامتؒ تھا نوئی حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”بار بار استفسار فرمانا کہ کدوؤں، امتحان و اشتیاق و اہلیت مخاطب کیلئے ہو گا۔ کیونکہ ایسے اسرار کے تحمل کا ہر شخص اہل نہیں ہے..... اور دوسری بار میں اس سوال کا تکرار نہ کرنا شاید اس لئے ہو کہ اب ضرورت نہیں رہی۔ اور ایک بار سوال کرنا اس لئے کہ طلب کے بعد حصولِ اذیت فی النفس ہے اور صورت کا حاضر رہنا اور اس سے مشورہ لینا یا یہ اکثر تو تخیل کی قوت ہے اور کبھی بطور غرقِ عادت کے روح کا مثلِ شکلِ جسد ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں لزوم و دوام کے ساتھ حاضر و ناظر ہونیکے اعتقاد کی یا استعانت و استغاثہ کے عمل کی گنجائش نہیں اور اس کے بعد کہ مرتبہ کی نسبت فرمایا کہ بس یہنے دو، اور اس کے بعد اصرار پر جواب میں مرتبہ احسان کا ذکر فرمانا اگر یہ اس مرتبہ سکوت عنہا کی تفسیر ہے تب تو اس وقت کا نہ بتلانا شاید اس حکمت کیلئے ہو کہ اہلِ ظاہر کی نظر میں یہ پہلے دو مرتبوں سے زیادہ نہیں ہے تو اس کی کچھ وقعت نہ ہوتی بعد اصرار کے فرمانے میں حالاً اس کی تعلیم ہے کہ ان سب سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ یہ مقصود اور مقام ہے اور وہ مرتبہ غیر مقصود اور حال ہیں شستان مابینہما اور اگر یہ اس کی تفسیر نہیں ہے تو اس کا انخفاء فرمایا۔ شاید افہامِ عامہ اس کے متحمل نہ ہوتے شاید تجلیاتِ ربانیہ میں سے کوئی تجلی ہو اور اس کی کیفیت بتلانے سے علمی اشکالات واقع ہوں جیسا صوفیاء کے ایسے اسرار میں اہلِ ظاہر کو ایسے اشکالات واقع ہوا کرتے ہیں“

(آپ بیتی ۷۷ ص ۴۷۵)

کشفِ صدر کشفِ قبور

کشف، مشائخِ سلوک کو بہت کثرت سے ہوتا ہے جو بسا اوقات تو مجاہدات پر متفرغ ہوتا ہے اور بسا اوقات وہی ہوتا ہے۔ جو مجاہدات پر موقوف ہوتا ہے وہ تصوف کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر مجاہدہ اور ریاضت کرنے والے کو کشف ہونے لگتا ہے اسی لئے مشائخ کے یہاں اس کو کچھ اہمیت نہیں بلکہ ناقابلِ التفات ہے بلکہ مشائخ جیسا اوقات اپنے مریدوں کو جب کشف وغیرہ ہونے لگتا ہے تو مجاہدات اور ریاضات وغیرہ سے روک دیتے ہیں۔

آپ بیتی میں کہیں لکھوا چکا ہوں کہ میرے ایک مخلص دوست مولوی عبدالرحمن گنگوہی جو گنگوہ میں میرے والد صاحب کے خاص شاگردوں میں تھے اور جب ۱۳۲۸ھ میں میرے والد صاحب قتل مظاہر علوم میں آگئے تو یہ مخصوص طلبہ بھی آگئے۔ انہوں نے دورہ حدیث کی کتابیں مظاہر علوم میں پڑھیں اور میرے حضرت قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔ معمولات کے بہت پابند تھے۔ شملہ کے قریب کسولی کی ایک مسجد میں امام تھے اور وہاں بچوں کو بھی پڑھایا کرتے تھے۔ اُس وقت چونکہ حضرت کی ڈاک میں ہی لکھا کرتا تھا، خطوط میں ان کے حالات بہت اُونچے معلوم ہوتے تھے۔ ایک خط میں مرحوم نے اپنے بہت سے مکاشفات عجائبات ذکر کئے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ اس خط کے جواب میں حضرت اُن کو بیعت کی اجازت دینگے مگر حضرت نور اللہ مرقدہ نے اُن کے خط کے جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ فرائض اور سننِ مؤکدہ کے علاوہ سب اذکار و

اشغال چھوڑ دو۔

میرے اکابر نور اللہ مرقدہ مکاشفات کو اگر وہ وہی بھی ہوں تو بھی مانع عن الطریق سمجھا کرتے تھے۔ میرے حضرت کارشاد تھا کہ یہ ایسا ہے جیسے راستہ چلتے راستہ میں دائیں بائیں باغیچے پھول پھولاری نظر آتے ہیں۔ اگر کوئی ان کے دیکھنے اور مزالینے میں لگ جائے تو راستہ قطع نہیں ہوگا یعنی مقصود تک پہنچنے میں دیر لگے گی۔ اسی لئے میرے اکابر عام طور سے ان کشف کو پسندیدہ نہیں سمجھتے تھے۔ میرے اکابر میں بھی دونوں قسم کے اکابر گذرے ہیں۔ میرے حضرت نور اللہ مرقدہ کو کشف بہت کم ہوتے تھے۔ اور اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ کو بہت کثرت سے ہوتے تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ کا مقولہ کہی وفد کا سنا ہوا ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی گود میں بھی بیٹھ جاؤں تو مجھے ڈر نہیں لگتا اور شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی مجلس میں بیٹھتے ہوئے بھی ڈر لگے کہ نہ معلوم کیا کیا منکشف ہو جائے۔ اعلیٰ حضرت قطب عالم گنگوہیؒ کے خدام میں بھی دونوں طرح کی مثالیں متعدد دُسنے میں آئی ہیں۔ حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ انہٹوی کو کشف بہت ہوتے تھے اور میرے حضرت کوزیارؒ نہیں جس کے متعلق متعدد مکاتیب مکاتیب رشیدیہ میں تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں مگر اکثر چو نکہ یہ چیز مجاہدوں سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً چلہ کشی جس دم وغیرہ۔ اس لئے بھی اکابر سلوک کے نزدیک یہ سلوک کامدار نہیں، لیکن شریعتِ مطہرہ کے خلاف بھی نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گزرنا اور اُن سے عذابِ قبر کی آواز سننا جو پیشاب اور چیخاؤری سے ہو رہا تھا۔ مشہور حدیث ہے، حدیث

سب کتابوں میں منقول ہے مشکوٰۃ میں باب اثبات عذاب القبر میں حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے ایک خچہ پر سوار تھے کہ ایک دم وہ سواری بدکی اور قریب تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گرے۔ وہاں پانچ چھ قبریں بھی تھیں جن میں عذاب رہا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ تم دفن کرنا نہ چھوڑ دو، ورنہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی عذاب قبر کی یہ آواز سنوائے جو میں سن رہا ہوں۔ اور حضرت سعد بن معاذؓ کی قبر کے تنگ ہونے کا واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ اس مرد صالح پر قبر ایسی تنگ ہوئی کہ ٹہریاں پسلیاں ایک ہو گئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے (ہماری تسبیح و تکبیر سے) کشادہ فرمایا۔ مشکوٰۃ ہی میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ بعض صحابہؓ نے ایک جگہ خیمہ لگایا، انھیں پتہ نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے۔ اچانک ہاں ایک آدمی کی آواز سنی کہ سورہ تبارک الذی اُس نے اخیر تک پڑھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ذکر کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورہ تبارک الذی عذاب قبر سے بچانے والی ہے۔ حیۃ الصحابہ میں ایک طویل قصہ لکھا ہے کہ ایک فوجوان بڑا عابد زاہد تھا۔ مسجد میں اکثر رہا کرتا تھا، عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے گھر گیا جہاں اُس کا جوڑھا باپ تھا۔ راستہ میں ایک حسین کے ساتھ آنکھیں چار ہو گئیں۔ ایک عورت کو اس سے عشق ہو گیا، وہ عورت ہمیشہ راستہ میں کھڑی رہا کرتی۔ ایک دن عورت نے اُس کو بہکایا، وہ بھی ساتھ ہو لیا۔ او دروازہ پر پہنچ کر جب عورت اندر چلی گئی یہ بھی جانے لگا تو اللہ تعالیٰ کی یاد نے نشہ توڑ دیا اور یہ آیت اُس کی زبان پر جاری ہو گئی اِنَّ الَّذِیْنَ اَتَقَوْا

اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّیْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُبْصِرُوْنَ ط
تو وہ فوجوان غش کھا کر گر گیا اس عورت نے اپنی مدد کیلئے اپنی باندی کو بلایا۔ اور دونوں نے مل کر اُٹھا کر اس کے دروازہ تک پہنچایا اور دروازہ کو کھٹکھٹایا بوڑھا باپ نکل کر آیا تو دیکھا کہ لڑکا دروازہ پر بیہوش پڑا ہے۔ اس نے اپنے گھر کے لوگوں کو بلایا اور..... اسے اُٹھا کر اندر گھر میں لے گئے۔ رات کے بڑے حصہ کے بعد اس کو ہوش آیا۔ باپ کے پوچھنے پر سارا قصہ سنایا۔ باپ نے پوچھا کونسی آیت پڑھی تھی، لڑکے نے اُوپر والی آیت پڑھی اور پھر بیہوش ہو کر گر گیا۔ لوگوں نے حرکت دی تو وہ مر چکا تھا۔ اس کو رات ہی کو دفن کر دیا گیا۔ صبح کو یہ قصہ حضرت عمرؓ تک پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے باپ کے پاس جا کر اُس کی تعزیت کی اور فرمایا کہ مجھے کیوں خبر کی، تو انہوں نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین رات کا وقت تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کی قبر پر مجھے لے چلو۔ حضرت عمرؓ ساتھیوں کے ساتھ قبر پر پہنچے اور اُس کو مخاطب کر کے یہ آیت پڑھی وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتْ اَنْ تَقْبِرَ مِنْ سِوَا دَفْنِہٖ اَوْ اَنْ تَنْفُکَ عَنْ مَّقَامِہٖ اَوْ اَنْ تَنْفُکَ عَنْ مَق

حیۃ الصحابہ میں ایک اور عجیب قصہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ جنت البقیع تشریف لے گئے اور فرمایا السلام علیکم یا اہل القبور، ہمارا حال سنو کہ تمہاری عورتوں نے دوسرے نکاح کر لئے اور تمہارے گھروں میں دوسرے لوگ رہنے لگے اور تمہارے اموال سب بٹ گئے۔ تو ایک غیبی آواز آئی ابک ہمارے خبریں سنو! کہ جو ہم آکے بھیج چکے وہ یا لبا، اللہ جو اللہ تعالیٰ کے راستہ کی

زیادہ محبوب ہیں۔

دوسرا قصہ لکھا ہے کہ حضرت ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ میں شام سے بصرہ آ رہا تھا۔ ایک جگہ اُترا، وضو کیا اور دو رکعت پڑھی پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا، پھر جاگا تو دیکھا کہ صاحب قبر میری شکایت کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ تو نے ساری رات مجھے ستایا۔ پھر وہی اوپر والا مضمون ذکر کیا کہ تم لوگ عمل کرتے ہو مگر جانتے نہیں ہو اور ہم جانتے ہیں مگر عمل نہیں کر سکتے۔ پھر کہا کہ تم نے جو دو رکعتیں پڑھی ہیں وہ دنیا اور مافیہا سے بہتر ہیں۔ اور پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں کو جو بڑے خیر ہے، ہماری طرف سے اُنھیں سلام کہنا کہ اُن کی دُعا سے پہاڑوں کے برابر ہمیں نور پہنچتا ہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے بہت سے قصے لکھے ہیں سب کا لکھنا تو مشکل ہے۔ اس میں ایک یہ واقعہ لکھا ہے کہ میرے ایک دوست گھر سے عصر کے وقت نکلے اور لاغ میں گئے۔ اُنھوں نے بیان کیا کہ سورج غروب ہونے سے پہلے قبرستان میں پہنچ گیا ایک قبر کو دیکھا کہ آگ کا شعلہ بن رہی تھی جیسے شیشہ کا برتن۔ اور مردہ اُس شعلہ کے اندر ہے۔ میں نے آنکھیں ملنی شروع کیں کہ کہیں سو تو نہیں رہا۔ پھر میں نے شہر بیاہ کی طرف نگاہ کی تو شہر بیاہ کو دیکھا تو یقین آیا کہ میں سو نہیں رہا اور میں مدہوشی کی حالت میں گھر پہنچا۔ گھر والے کھانا لائے مگر مجھ سے کھا یا نہیں گیا۔ پھر شہر میں جا کر اس قبر کی تحقیق کی کہ کس کی قبر ہے تو پتہ چلا کہ یہ ایک ظالم ٹیکس لینے والے کی قبر ہے۔ اسی طرح ایک اور روایت لکھی ہے کہ ابو قز عہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بصرہ کے قریب چشمہ پر گئے تو ہم نے گدھے کی آواز سنی۔ میں نے وہاں والوں سے پوچھا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ

میں خرچ کیا تھا اُس میں نفع ہوا، اور جو کچھ چھوڑ آئے اُس میں گھانا ہوا۔ اس میں ایک یہ بھی عجیب قصہ لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بدر کے پاس کو گذر رہا تھا کہ ایک گڑھے سے ایک آدمی نکلا، اسکی گردن میں ایک زنجیر پڑی ہوئی تھی اور مجھ بار بار آواز دے رہا تھا کہ اے عبد اللہ مجھے پانی پلا، اور اسی گڑھے میں سے ایک اور آدمی نکلا جس کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا اور اُس نے کہا کہ اے عبد اللہ اس کو پانی مت پلا یہ کافر ہے۔ اس کے بعد اُس نے ایک تلوار اُس پر ماری جس سے وہ اسی گڑھے میں واپس ہو گیا۔ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ بیان کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ابو جہل تھا اور قیامت تک اس کو یہی عذاب ہوتا رہے گا۔ اور بہت سی روایات قبروں سے آواز سننے کی حدیث کی کتابوں میں وارد ہیں۔ اس لئے جو مکاشفات و خوارق کا انکار کرتے ہیں وہ حدیث سے ناواقف ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح میں بہت سی روایات اور قصے اہل قبور کے نقل کئے ہیں۔ مجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں کہ ابن ساس ایک جنازہ کے ساتھ ایک دن گئے اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے، ایک قبر کے پاس پہنچے اور دو رکعت پڑھی اور قبر پر ٹیک لگائی، وہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میرا قلب جاگ رہا تھا کہ اچانک میں نے قبر سے ایک آواز سنی کہ صاحب قبر نے کہا کہ پرے کو ہٹو مجھے اذیت نہ دو، تم زندہ لوگ عمل کرتے ہو مگر اس کے بدلے کو نہیں دیکھتے اور ہم لوگ ثواب کو دیکھتے ہیں عمل نہیں کر سکتے تم نے جو دو رکعتیں پڑھی ہیں وہ میرے نزدیک اتنے اتنے (ثواب یا بدلہ)۔

یہ ایک شخص تھا جب اُس کی ماں کسی کام کیلئے کہتی تو یہ جواب دیا کہ تاکہ ہر وقت گدھوں کی طرح بولو جا۔ جسے یہ مڑا ہے روزانہ رات کو اس کی قبر سے گدھے کی آواز آتی ہے۔

قصہ تو بہت ہیں، اور بہت عبرتناک۔ ایک اور قصہ لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر میں ایک شخص تھا اس کی ایک بہن بیمار ہوئی، اُس کی عیادت کیلئے وہ جایا کرتا تھا، پھر اس کا انتقال ہو گیا، اُس نے اُس کو دفنایا۔ دفن کر لیا تو اُس کو یاد آیا کہ اُس کی قبر میں کوئی چیز بھول آیا، تو اپنے ایک ساتھی کو مدد کیلئے ساتھ لیکر قبرستان گیا اور قبر کھودی، وہ چیز مل گئی۔ پھر اُس نے اپنے ساتھی سے کہا ذرا ہٹو میں دیکھوں کہ میری بہن کس حال میں ہے اور خدا پر سے ایک دوائی نہیں اٹھائیں تو دیکھا کہ قبر میں آگ دہک رہی ہے۔ اُس کو بند کر کے آکر ماں سے پوچھا کہ میری بہن کا زندگی میں کیا حال تھا اور کیا عمل کرتی تھی۔ ماں نے کہا کیوں پوچھتے ہو وہ تو مر چکی۔ اُس نے اصرار کیا تو ماں نے بتایا کہ نماز میں لا پرواہی کرتی تھی اور محلہ والوں کی باتیں کان لگا کر سنتی تھی اور دوسروں میں پھیلاتی تھی۔

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آکر ابو اسحق خزاری سے سوال کیا کہ نباش (کفن چور) کیلئے توبہ ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ جب سچے دل سے توبہ کرے تو قبول ہو سکتی ہے تو اُس شخص نے اُن سے کہا کہ میں کفن چور تھا میں نے بہت سے لوگوں کا منہ قبلہ سے پھرا ہوا دیکھا۔ ابو اسحق خزاری کو اس کا جواب سمجھ میں نہیں آیا تو اُنھوں نے امام اوزاعی کو لکھا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سنت کے خلاف پرمے ہیں، یعنی بدعتی لوگ۔

حافظ ابن قیمؒ اس قسم کی بہت سی روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن کی اس کتاب میں گنجائش نہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کے بارے میں دکھائے ہیں..... اور ملاحظہ اور زنادقہ کے پاس ان واقعات کو جھٹلائینے کی کوئی دلیل نہیں۔

مندرجہ بالا مضمون کشفِ قبور کے بارے میں تھا اور کشفِ صدور کے بارے میں حافظ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب الروح ص ۲۸۳ میں لکھا ہے کہ اہل فراست کی تو اللہ جل شانہ نے مدح کی ہے اس آیت میں اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّمَنْتَوَسَّعِيْنِ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ نے کہا ہے کہ متوسمین سے مراد فراست والے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے کئی آیتیں لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ فراست صادقہ اس قلب کیلئے ہے جو کندگیوں سے پاک صاف ہو اور اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کر چکا ہو تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے اُس نور سے دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب میں رکھا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مؤمن کی فراست سے سچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے (ترمذی) اور یہ فراست اس میں اللہ تعالیٰ کے قرب کی وجہ سے پیدا ہوتی کیونکہ دل جب اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جاتا ہے تو برے خیالات جو حق کی پہچان اور ادراک سے مانع ہوتے ہیں اس سے دور ہوجاتے ہیں اور وہ اس مشکوٰۃ سے حاصل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے قریب ہے، اپنے قریبے موافق اور اس کیلئے قلب میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اس نور سے وہ چیزیں دیکھتا ہے جسے وہ لوگ نہیں دیکھ سکتے جو اللہ تعالیٰ سے دور اور محجوب ہوں،

جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کوئی بندہ اتنا قُرب مجھ کو حاصل نہیں کر سکتا جتنا فراغِ اُض سے اور بندہ نوافل کے ذریعہ قُرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اُس کو محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اُس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے پس وہ مجھ ہی سے مُنتقل ہے، مجھ ہی سے دیکھتا ہے، مجھ سے پکڑتا ہے، مجھ ہی سے چلتا ہے۔

پس جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو بندہ کا دل صاف شفاف آئینہ کے مانند ہو جاتا ہے اور اس کے قلب پر حقائق کی صورتیں منعکس ہوتی ہیں اور اس کی کوئی فراست غلط نہیں ہوتی کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیکھتا ہے تو وہی چیز دیکھتا ہے جو حقیقت میں ہوتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ سنتا ہے تو وہی چیز سنتا ہے جو حقیقت میں ہوتی ہے۔ اور یہ علم غیب نہیں ہے بلکہ اللہ جل شانہ اُس کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔ اور جب قلب پر نور غالب ہو جاتا ہے تو اُس کا فیضان اعضا پر بھی ہوتا ہے اور وہ نور دل سے آنکھ کی طرف آتا ہے، پھر اس آنکھ سے اس نور قلب کے موافق نظر آتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے بیت المقدس کو دیکھ لیا۔ مدینہ منورہ میں خندق کھودنے وقت شام کے حالات اور شہر صنعا، کے شہر یناہ کے دروازے اور مدائن کسریٰ کو دیکھ لیا اور جب غزوہ موتہ میں امراء کی شہادت ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ میں رہ کر دیکھ لیا۔ اور نہماشی کی جب جہشہ میں موت ہوئی تو مدینہ میں آپ پر منکشف

ہو گیا اور حضرت عمرؓ نے حضرت سارینہ کو جب وہ نہادند میں رہے تھے دیکھ لیا تھا اور مدینہ میں منبر پر سے آواز دی۔ اور کچھ لوگ جب قبیلہ مذحج سے ان کے پاس آئے ان میں اشتر بنی بھی تھا تو بہت غور سے اُس پر سے نیچے تک اُس کو دیکھا اور پوچھا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ مالک بن حارث۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو قتل کرے، میں اس کی وجہ سے مسلمانوں پر بہت پریشانی دیکھتا ہوں (یہ قاتلین عثمانؓ کے لیڈروں میں تھا)۔ اور مسجد حرام میں ایک دفعہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص داخل ہوا، امام محمدؒ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ یہ بڑی ہے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ لوہار ہے۔ پھر دونوں نے اس سے پوچھا۔ اُس نے کہا کہ پہلے میں لوہار تھا، اب بڑھی کا کام کرتا ہوں۔ حضرت جنیدؒ کی خدمت میں ایک نوجوان رہتا تھا جو دوسروں کے قلبی خطرات بتا دیتا تھا۔ حضرت جنیدؒ سے اس کا ذکر کیا گیا۔ حضرت جنیدؒ نے اس سے پوچھا کہ یہ لوگ تیری طرف سے کیا نقل کرتے ہیں؟ اُس نے کہا کہ صحیح ہے، آپ بھی کوئی چیز سوچیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ سوچ لیا۔ اُس نے کہا کہ یہ یہ سوچا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ غلط ہے۔ پھر دوسری اور تیسری مرتبہ بھی ہوا کہ حضرت جنیدؒ نے کچھ سوچا اور اُس نے بتایا اور حضرت جنیدؒ نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ تین دفعہ کے بعد اُس نے کہا کہ یہ بڑی عجیب بات ہے آپ تو بالکل سچے ہیں اور میں اپنے قلب کی حالت سے زیادہ واقف ہوں تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تو نے تینوں دفعہ صحیح کہا مگر میں نے تمہارا امتحان لیا تھا۔ اور ابوسعد خراز فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد حرام میں داخل ہوا، اتنے میں ایک فقیر بھی داخل ہوا، جو دوپرائی چادریں اوڑھے ہوئے

تھا، کچھ مانگ رہا تھا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسے لوگ دنیا پر بوجھ پڑتے ہیں۔ اُس نے میری طرف دیکھا اور کہا اَعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ يَعْصِمُ مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ میں نے اپنے دل میں توبہ کی تو اُس نے آواز دی اور دوسری آیت پڑھی وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ۔ اور حضرت عثمانؓ کے پاس ایک آدمی آیا جس کی نگاہ راستہ میں ایک عورت پر پڑ گئی تھی اور اُس نے اُس کو اچھی طرح گھور کر دیکھا تھا تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ بعض لوگ میرے پاس آتے ہیں اور زنا کا اثر ان کی آنکھوں سے ظاہر ہوتا ہے اُس نے کہا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی وحی آتی ہے؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ نہیں لیکن فرستِ صادقہ اور تبصرہ اور برہان ہے۔ یہ فرست ہے، اور وہ ایک نور ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ دل میں ڈالتے ہیں جس سے ان کے دل میں کسی چیز کا خیال آتا ہے اور حقیقت میں وہ ویسی ہی ہوتی ہے۔ یہ مضمون حافظ ابن قیمؒ کی کتاب الروح سے مختصر نقل کیا گیا ہے اس میں بہت سے فقہ اس نوع کے ذکر کئے گئے ہیں۔ اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ ص ۲۷۱ میں مکاشفات کی تائید کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ فرمانبرداروں کے مونہوں کے قریب ہو اور جو کہیں اُس کو سنو کیونکہ ان پر امور صادقہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یہ امور صادقہ جن کی خبر حضرت عمرؓ نے دی ہے۔ یہ ایسے امور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر منکشف فرماتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ اولیاء اللہ کے لئے مخاطبات اور مکاشفات ہیں ۱۔ ھ۔

حضرت امام اعظمؒ کے ماہِ مستعمل کے سلسلہ میں دو قول مشہور ہیں

اول نجاست کے قائل تھے جب ماہِ مستعمل کا لا نظر آتا اور گناہ دھلتے ہوئے نظر آتے تھے۔ امام صاحبؒ نے بڑی دعائیں کیں کہ یا اللہ میں لوگوں کے معاصی پر مطلع ہونا نہیں چاہتا۔ دعا قبول ہو گئی اور کشف جاتا رہا تو امام جنتا نے بھی نجاست سے طہارت کی طرف رجوع کر لیا۔

شطیات

بعض اہل حال سے غلبہ حال میں ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں جو شریعت پر منطبق نہیں ہوتے (التکشف^{۵۱۹}) بے اعتداری کی حالت میں جو غلبہ وار دیکھو سے قواعد کے خلاف کوئی بات منہ سے نکل جائے وہ شط ہے اس شخص پر ننگام ہے نہ اُس کی تقلید جائز ہے (تعلیم الدین ص ۱۱۱)

اکابر کے کلام میں بہت سے الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن پر ظاہر ہی کفر تک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ اس قسم کے الفاظ غلبہ شوق یا سکر کی حالت میں نکل جاتے ہیں تو وہ نہ موجب کفر ہیں نہ موجب تقلید۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ سے اس کے زیادہ خوش ہوتے ہیں جیسا کہ ایک آدمی سفر میں جا رہا ہو اور اُس کی اُوٹنی پراس کا سارا سامان کھانے پینے کا ہے۔ اور ایسے جنگل میں جو بڑا خطرناک ہلاکت کا محل ہے پھوڑی دیر کو لیٹا، ذرا آنکھ لگی، اور جب آنکھ کھلی تو اُس کی اُوٹنی کہیں بھاگ گئی۔ وہ ڈھونڈتا رہا اور گرمی اور پیاس کی شدت بڑھ گئی تو وہ اس نیت سے اسی جگہ آکر لیٹ گیا کہ مر جاؤنگا، اور بانہ پر سر رکھ کر لیٹ گیا، آنکھ لگ گئی اور پھوڑی دیر میں آنکھ کھلی تو اُس کی اُوٹنی پاس کھڑی تھی، اُس پر سالام لکھنے پینے کا موجود تھا۔ اُس وقت میں اُس کی خوشی کا کوئی انداز نہیں کر سکتا اور خوشی میں کہنے لگا کہ اللہ تو میرا بندہ میں تیرا رب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم فرماتے ہیں کہ وہ شدتِ فرح سے چوک گیا۔ یہ روایت

بخاری مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت انسؓ سے مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے۔ حضرت تھانویؒ التشریف ص ۱۱ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ مغلوب کی غلطی معاف ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم نے اس غلطی کو نقل کر کے نکیر نہیں فرمائی۔ اگرچہ وہ فرج ہی سے ہو جو کہ ایک حالت ناشی عن الدنیا ہے تو بھلا جو محبت اور شوق سے مغلوب ہو اُس کا تو کیا پوچھنا ہے جو کہ ناشی عن الدین کیفیات میں سے ہے۔ انتہی۔ نیز حضرت عائشہؓ کا اس قصہ میں جب کہ ان پر تہمت لگائی گئی تھی، روایت ہے کہ جب ان کی برائت قرآن مجید میں نازل ہوئی تو ان کی والدہ نے کہا کہ اٹھو اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم کے پاس جاؤ (یعنی بطریقِ ادائے شکر یہ سلام کے) یہ اُس وقت جوش میں تھیں کہنے لگیں واللہ میں اٹھ کر نہیں جاؤں گی، اور میں بجز خدا تعالیٰ کے کسی کا شکر ادا نہیں کروں گی اُسی نے میری برائت نازل فرمائی ہے (اور سب کو تو شبہ ہی ہو گیا تھا) روایت کیا اس کو بخاری مسلم، ترمذی، نسائی نے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں بعضے بزرگوں سے نظماً یا نثرً بعض ایسے کلمات منقول ہیں جن کا ظاہری عنوان موم گستاخی ہے۔ اگر یہ غلبہ حال میں ہو تو اس کو شط اور ادلال کہتے ہیں۔ حضرت صدیقہؓ کا یہ کہنا اسی قبیل سے ہے جس کا منشاء ایک خاص سبب شدتِ غم ہے وہ یہ کہ خود جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم بھی بمقتضائے بشریت و عدم علم غیب اس معاملہ میں مشوش و متروک تھے اور حضرت صدیقہؓ کو اس تردد کی اطلاع تھی، پس ان کو یہ قلق تھا کہ افسوس آپ کو بھی شبہ ہے۔ پس برائت کے نزول پر ان کو جوش آیا اور یہ جواب اُن سے صادر ہوا۔ چون کہ

بالآخر قصور معاف ہو گیا۔ حضرت نانوتویؒ نے جب یہ قصہ سنا تو گھبرا کر اٹھ گئے اور فرمایا کہ اٹوہ! مولوی محمد یعقوب نے ایسا کہا تو بہ، تو بہ، تو بہ بھائی! یہ انہی کا کام تھا کیونکہ وہ مجذوب ہیں، اگر ہم ایسی گستاخی کرتے تو ہمارے تو گردن نپ جاتی۔ حضرت تھانویؒ نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ بعض مراتب مجذوبیت میں ایسے اقوال داخل ہو کر عضو فرمائیے جاتے ہیں، اور بعض مجاذیب ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر جذب کا اثر کسی وقت ہوتا ہے۔ دہلی کی جامع مسجد کی میڑھیاں ساری عمر سے کسی نہ کسی مجذوب کا مستقر رہتی ہیں۔ بہت سے مجاذیب کے قصے مشہور ہیں، نہ معلوم کس زمانہ سے یہ ان کا مستقر بنتا رہا، حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا قصہ ہے کہ جبکہ وہ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کیلئے تشریف لیجاتے تو جنوبی دروازہ سے داخل ہوتے اور جب نماز سے فارغ ہو کر تشریف لیجاتے تو شرقی دروازہ میں کو جلاتے، جمعہ کی نماز کے بعد شرقی دروازہ کی شمالی سہ دری میں ایک رنگ مصلے بچھا کر بیٹھتے تھے اور ان کے سامنے ایک مٹی کا ٹونا اور اس کے اوپر ایک گھسی ہوئی اینٹ رکھی ہوتی تھی۔ جب مرزا صاحب نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تو ان بزرگ کے لاتیں مالتے اور بڑا بھلا کہتے اور ان کے نیچے سے مصلے نکال کر پھینک دیتے، ٹونا اٹھا کر توڑ دیتے اور اینٹ کو بھی اٹھا کر پھینک دیتے اور یہ کر کے روانہ ہو جاتے۔ لوگ اس حرکت کو دیکھ کر اور مرزا صاحب کی شان کے خلاف سمجھ کر اس پر تعجب کرتے مگر دریافت کرنے کی کسی کی بہت نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی خاص شخص نے جرأت کر کے دریافت کیا کہ حضرت یہ کون بزرگ ہیں اور آپ ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیوں کرتے ہیں؟ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ حدیث سے اہل شط و ادلال کا معذور ہونا ثابت ہو گیا۔ (التکشف)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم نے فرمایا کہ جب تم ہم سے راضی ہوتی ہو یا خفا ہوتی ہو، ہم پہچان لیتے ہیں حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ کیسے پہچان لیتے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم نے فرمایا کہ جب تم راضی ہوتی ہو قسم کھاتی ہو محمدؐ کے رب کی، اور جب ناراض ہوتی ہو قسم کھاتی ہو ابراہیمؑ کے رب کی۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ سچ فرمایا آپؐ نے مگر میں صرف نام ہی چھوڑتی ہوں فقط۔

پیچت اور ناز و انداز کے قصے ہیں، محبت والے چلتے ہیں کہ حضورؐ کو یہ چیز بھی محسوس ہوئی کہ وہ کس طرح قسم کھاتی ہیں، اور یہ بھی چونکہ محبوب کا ناز تھا اس لئے اس پر کبھی نہیں ہوئی۔

خواجہ احمد جام کا قصہ مامی کینم والا پہلے گزر چکا کہ ان کے ہاتھ پیر سے نابینا کی آنکھیں ابھتی ہو گئیں اور وہ ”ہم کرتے ہیں، ہم کرتے ہیں“ کہتے جاتے تھے۔ یعنی ہم اندھوں کو بینا کرتے ہیں۔ اور ارواحِ ثلاثہ حکایت ۲۴۹ میں ہے جناب مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نانوتویؒ اپنی درگاہ میں نہایت پریشان بیٹھتے تھے، امیر شاہ خان اور چند دوسرے اشخاص بھی اس وقت پہنچ گئے، مولانا نے فرمایا رات مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی، میں نے حق تعالیٰ سے کچھ عرض کیا، حضور نے کچھ جواب ارشاد فرمایا میں نے پھر کچھ عرض کیا (جو ظاہر گستاخی تھی) اس کے جواب میں ارشاد ہوا بس چپ رہو جو کومت (ایسی گستاخی) یہ سن کر میں خاموش ہو گیا اور بہت استغفار اور معذرت کی

کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہم لڑکے تھے تو یہ ہمارے چاہنے والوں میں سے تھے، اُس وقت اُن کے ساتھ یوں ہی ہاتھ پائی ہوا کرتی تھی، اب ہمیں خدا نے ہدایت کی ہم سلوک کی طرف متوجہ ہوئے اور خدا کے فضل سے صاحبِ اجازت ہوئے۔ ایک روز ہمیں خیال ہوا کہ شخص باوفا دوست ہے، اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے میں نے جو اس کی طرف توجہ کی تو میں اس کے عکس ہی میں دب گیا اور میں نے اس کو اپنے سے بہت اُونچا دیکھا۔ اب تو میں نہایت پریشان ہوا اور میں نے اس کا نہایت ادب کیا اور اپنی جگہ اس کیلئے چھوڑ دی اور کہا کہ میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں، آپ میری جگہ تشریف رکھیں اور میں آپ کی جگہ مگر اس نے نہ مانا۔ میں نے نہایت اصرار کیا مگر اُس نے میرے اصرار پر بھی نہ مانا اور کہا کہ تمہیں میرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا ہو گا جو اب تک کرتے رہے ہو۔ اس کو میں نے نہ مانا۔ اس پر اُنھوں نے میری تمام کیفیت سلب کر لی اور میں کورا رہ گیا۔ اب میں بھی بہت پریشان ہوا، اور میں نے کہا کہ میری کیفیت دے دو اس پر اُس نے کہا کہ اس شرط پر واپس کرتا ہوں کہ وعدہ کرو کہ مجھ سے ہمیشہ وہی برتاؤ کرتے رہو گے جو اب تک کرتے رہے ہو اور یہاں نہیں بلکہ جامع مسجد میں سبکے سامنے میں نے ناچار اس کو منظور کیا اور اسی مجبوری سے میں ایسا کرتا ہوں۔

اس کے حاشیہ پر حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے قولہ کیفیت سلب کر لی اقول اس سلب کی حقیقت جیسا احقر نے حضرت مولانا گنگوہی سے سنی ہے یہ ہے کہ معمول کے قویٰ اور اکیہ و عملیہ میں ایسا تصرف کیا جاتا جس سے اس میں غباوت پیدا ہو جاتی ہے۔ باقی کمال اور قرب تو کوئی زائل نہیں

کے سکتا۔ احقر (حضرت تھانوی) کہتا ہے کہ ایسی غباوت کسی مرض یا کسی دوا وغیرہ کے غلبہ سے بھی پیدا ہو سکتی ہے اور اس سے فی نفسہ کوئی ضرر بھی نہیں گو لذت کی کمی سے قلعہ ہوتا ہے، البتہ بواسطہ اس لئے گلے مضر ہو جاتا ہے کہ وہ سبب ہو جاتا ہے نشاط کی کمی کا اور وہ مفضی ہو جاتی ہے تعلیل کے لایعنی کی طرف اس لئے جہاں ایسا احتمال ہو وہاں یہ تصرف حرام ہے اور جہاں کیفیت نفسانیہ کا غلبہ محل ہو ضروریات واجبہ و نیویہ یا دینیہ میں وہاں یہ تصرف طاعت ہے اور جہاں محض مصلحت مباحہ ہو وہاں مباح ہے، جیسے اس قصہ میں ہوا۔
(ارواحِ ثلاثہ ص ۲)

یہ ناکارہ کئی سال دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا ممبر رہا حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہ کا معاملہ حکیم اسحق کشموری سے اس سے بھی زیادہ تیز ہوتا تھا۔ شروع میں تو بڑا متحیر رہا پھر کچھ دنوں بعد سمجھ میں آیا۔ بات میں سے بات نکلتی چلی آئی۔ اصل قصہ جو مجھے لکھوانا تھا وہ یہ کہ اسی جامع مسجد کی میز چیلوں پر ایک مجذوب رہا کرتے تھے، دیندار نیک تھے، ایک دن اُنھوں نے زٹ لگانا شروع کی کہ نہ میں تیرا بندہ نہ تو میرا خدا۔ اور زور زور سے کہنا شروع کیا۔ لوگ اُن کو پکڑ کر قاضی صاحب کے یہاں لے گئے۔ قاضی صاحب بھی کوئی بزرگ آدمی تھے۔ اُنھوں نے ان مجذوب کو چھو کیا کہ یہ ہے ہو؟ اُنھوں نے کہا کہ دو گھنٹے سے شیطان مجھ پر مسلط ہے اور مجبور کر رہا ہے کہ میں یوں کہوں کہ تو میرا خدا میں تیرا بندہ۔ میں اس کو ڈانٹ کر کہتا ہوں کہ نہ تو میرا خدا اور نہ میں تیرا بندہ۔ اور مقصود ان واقعات سے یہی ہے کہ شیطیات کو سمجھے بغیر ان پر نیکر نہ کرے۔

سکر و غشی

سکر و غشی بسا اوقات شطیحات کا سبب ہو کرتے ہیں اور مشاعر سلوک کے بہت سے اقوال و احوال حالت سکر پر محمول کئے گئے ہیں۔ اگر یہ سکر کسی ناجائز چیز سے ہو تب تو ناجائز ہو نا ظاہر ہے لیکن بسا اوقات وارد قوی کی وجہ سے بھی ہو جاتا ہے کہ قلب اس کا متحمل نہ ہو۔ یہ قلب کے ضعف کا اثر نہیں ہوتا بلکہ نہایت قوی القلب بھی جب وارد اس سے زیادہ قوی ہو تو اس کی قوت کی وجہ سے بیہوش ہو جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجود نبی اولوا العزم ہونے کے خود رویت باری تعالیٰ کی درخواست کی مگر جب تجلی ہوئی تو بیہوش ہو گئے۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قوت برداشت چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل تھی حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ نسبت اتحادیہ تو نزول وحی ہی کے وقت پیدا ہو چکی تھی اور تیرہ برس تک جن معارف و مقامات عالیہ پر ترقی فرمائی تو شب معراج میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی یہ کہہ کر پیچھے رہ گئے۔

اگر ایک سرے سے بڑے بزرگ پر فرغ تجلی بسوزد پریم
کہ اگر ایک بالہ را بر بھی آد پر بڑھوں تو تجلی کی روشنی میرے پر جلا دے گی۔
اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج میں آسمانوں پر
جن حجاب غرائب کو دیکھا اس سے کوئی تغیر اور انکسار و اضمحلال جسد اطہر میں پیدا نہیں ہوا، ویسے ہی واپس تشریف جیسے گئے تھے۔ حضرت تھانوی

نور اللہ تعالیٰ مرقدہ نے التکشف ص ۵۳ میں فرمایا ہے کہ عقل کا مغلوب ہو جانا جیسا کبھی احوال جسمانیہ سے ہوتا ہے ایسا ہی کبھی احوال نفسانیہ سے بھی ہوتا ہے اور یہ اطباء کے نزدیک بھی ثابت اور مسلم ہے منجملہ احوال نفسانیہ کے وہ احوال بھی ہیں جن سے سکر کا غلبہ ہوتا ہے اور عقل مغلوب ہو جاتی ہے۔ سو جس طرح مجنون و معتوہ شرعاً معذور ہیں اسی طرح صاحب سکر و مغلوب الحال بھی اپنے اقوال و شطیہ اور اپنے افعال ترک واجب یا ارتکاب محرم میں معذور ہے۔ اور یہ سکر بعض اوقات دوسرے کو محسوس نہیں ہوتا جس طرح جنون و عتہ (خفیف العقل) بعض اوقات دوسرے کو محسوس نہیں ہوتا جس سے اشتباہ ہوتا ہے۔ اور جن حضرات کے کلام میں تاویل عذر کی جائے ان میں ایک قرینہ منقول ہونا ان کے سکر کا ہے اور ایک قرینہ منقول ہونا ان کے فضائل و کمالات و اتباع سنت کا غالب احوال میں ہے جو مضطر کر نیگا تاویل کی طرف ورنہ جس کا غالب حال فسق و مصیبت اور اتباع بطالت ہو وہاں کوئی حاجت تاویل کی نہ ہوگی کیونکہ احتمال غیر ناشی عن دلیل معتبر نہیں ورنہ انکار و احتساب و سیارت کا باب ہی مسدود ہو جائے و ہو باطل۔

التکشف ہی میں ہے ص ۵۵ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عبد اللہ بن ابی پر نماز پڑھنے اور حضرت عمرؓ کے باصرار روکنے میں لکھا ہے کہ وار غیبی کے ظاہری اور باطنی احکام میں امتیاز کا اٹھ جانا سکر ہے اور اس امتیاز کا عود کر آنا صحیح ہے۔ حضرت عمرؓ کے قلب پر نبض فی اللہ کا ورود ایسا قوی ہوا کہ ان کو اس طرف التفات نہ ہوا کہ میں

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قولاً فعلاً کیا معاملہ کر رہا ہوں جو صورتاً ادب سے مستبعد ہے۔ سو ایسی حالت میں شائع علیہ السلام نے معذور رکھا ہے۔ پھر حجب حالت صحو میں آئے تو حدیث میں آیا ہے کہ بعد میں مجھ کو اپنی جہرات پر تعجب ہوا اور نادام مجھے۔ اکابر صوفیاء کے یہاں بھی بہت کثرت سے واردات کا ظہور ہوتا ہے۔ اگر وار و ضعیف ہو اور قلب قوی ہو تو اثر محسوس نہیں ہوتا۔ اور وار و قوی ہو اور قلب ضعیف ہو تو اس کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی کا قصہ مجھے تو مفصل یاد ہے مگر اس وقت حوالہ یاد نہیں۔ البتہ تذکرۃ الرشید جلد دوم ص ۳۲ پر درج ہے کہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کی مجلس میں بزرگوں کا تذکرہ ہو رہا تھا تو کسی نے حضرت گنگوہی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کی حالت دریافت کی تو حضرت شاہ صاحب نے یہ لفظ فرمائے کہ مولانا رشید احمد صاحب کا کیا حال پوچھتے ہو وہ تو دریا پی گئے اور ڈکار نکال نہیں لیا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ فتاویٰ ص ۳۹۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ ایسے لوگ جن پر غلبہ حال ہو ان پر حلول و اتحاد کی کچھ کیفیت غالب ہو جاتی ہے۔ اتحاد کی بعض نوع حق ہوتی ہے بعض باطل لیکن چونکہ غلبہ حال میں ہوتی ہے اور عقل غائب ہوتی ہے یا اس نے اپنے محبوب کے سوا سب چیز کو فنا کر دیا ہو اور یہ نشہ کسی ناجائز چیز سے نہ ہو تو ایسا شخص معذور ہو گا۔ قیامت میں اُس کو سزا نہ ہو گی۔ اس لئے کہ مجنون مرفوع القلم ہوتا ہے اور اگر یہ اس سے غلطی سے ہو رہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ

کے اس قول میں داخل ہو گا رَتْنَا لَا تَشَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَنْ اَخْطَاْنَا اور اس ارشاد میں وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا اَخْطَاْتُمْ بِهِ اور یہ جیسا کہ نقل کیا جاتا ہے کہ دو آدمی تھے، ایک کو دوسرے سے عشق تھا، محبوب دریا میں گر گیا تو عاشق نے بھی اپنے آپ کو اُس کے پیچھے دریا میں ڈال دیا محبوب نے پوچھا کہ میں تو گرا ہی تھا تمہیں کس نے گرایا تو عاشق نے کہا کہ میں تمہاری محبت میں اپنے سے غائب ہو گیا اور یہ گمان کیا کہ تو نہیں ہوں تو یہ حالت اہل محبت و ارادت کو بہت زیادہ پیش آتی ہے۔ حق تعالیٰ کے بارے میں اور دوسرے موقعوں پر بھی گو اس میں کچھ نقص اور خطا بھی ہے کہ وہ اپنے محبوب میں اپنی محبت سے اور اپنے آپ سے بھی غائب ہو جاتا ہے اور مذکور میں ذکر سے اور مشہود میں شہود سے اور موجود میں وجود سے تو اس وقت اس کو تمیز نہیں رہتی اور نہ اپنے وجود کا احساس رہتا ہے۔ ان حالات میں کبھی انا الحق کہنے لگتا ہے، کبھی سبحانی کہنے لگتا ہے اور کبھی مافی الجبۃ الا اللہ اور اس قسم کے الفاظ۔ وہ محبت کے نشہ میں ہوتا ہے اور ایسے نشہ کی باتیں پھیلاتی نہ جائیں۔ اگر اس کا نشہ کسی ممنوع وجہ سے نہ ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ بازار میں تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا کہ میں تم کو یہاں دیکھتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میراث میں تقسیم ہو رہی ہے۔ یہ سن کر لوگ ادھر چلے اور پھر لوٹ آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو کچھ تقسیم ہوتے نہیں دیکھا، صرف ایک قوم کو دیکھا کہ قرآن کے پڑھنے میں لگ رہی ہے۔ آپ نے فرمایا یہی تو میراث ہے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی (رواہ زرین)

حضرت تھانویؒ انکشاف میں فرماتے ہیں اکثر بزرگوں کی تقریر تحریر میں بعض مضامین خلاف ظاہر پائے جاتے ہیں جن کی توجیہ و مراد منسنے کے بعد بالکل صحیح و مطابق واقع کے ثابت ہوتے ہیں۔ کبھی اس کا سبب غلبہ حال ہوتا ہے کبھی قصداً اخفاء عوام سے کبھی تشویق و ترغیب طالب کی کہ ابہام سے شوق تعین ہوتا ہے اور بعد شوق جو تعین ہوتی ہے وہ ادفع فی النفس ہوتی ہے۔ اس حدیث میں اس عادت کا اثبات ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے مصلحت تشویق کے لئے اول ابہاماً فرمایا جس سے ابہام معنی غیر مقصود کا ہوا، حتیٰ کہ واپسی کے بعد لوگوں نے تکذیب بھی کی۔ مگر بعد تفسیر معلوم ہوا کہ کلام صادق ہے پس عبارات موسومہ دیکھ کر کسی صاحب کمال یا صاحب حال پر جرح قدح نہ کرے کہ متمر حرمان ہے۔ نیز حضرت اُبی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری جن کا گھر مدینہ میں بہت دور تھا مگر کوئی نماز اُن کی جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ فوت نہ ہوتی۔ ہم

کلام صوفیہ کا محمل خلافتِ ظاہر

حضرات صفویہ کے کلام میں ظاہر کے خلاف معنی بہت کثرت سے
ہوتے ہیں اور بعض بیوقوف رموز فن سے ناواقف ان پر اعتراض بھی کیا کرتے
ہیں۔ شامل ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے آکر
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم سے سواری مانگی تو حضور اقدس
صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تجھے اونٹنی کا بچہ دونگا۔ اُس نے
کہا یا رسول اللہ میں اونٹنی کا بچہ لیکر کیا کروں گا مجھے تو سواری کے لئے چاہئے
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ سوتا
ہے۔ شامل ہی میں ایک دوسری حدیث ہے حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر
ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمائیجے کہ حق تعالیٰ شانہ مجھے جنت میں داخل
فرمائے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں
بوڑھی عورت داخل نہیں ہوگی۔ وہ عورت روتی ہوئی ٹوٹنے لگی حضور اقدس
صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ جنت میں بڑھاپے کی
حالت میں داخل نہیں ہوگی بلکہ حق تعالیٰ جل شانہ سب اہل جنت عورتوں
کو نو عمر کنواں بنا دیں گے اور حق تعالیٰ شانہ کے اس قول إِنْ أَتَاكُمْ نَذَارٌ فَاعْتَصِمُوا
إِنْ شَاءَ فَبَعَلْنَا هُنَّ أَبْكَارًا آلِیۃ۔ میں اس کا بیان ہے جس کا ترجمہ اور
مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے۔ یعنی ہم نے ان کو

لوگوں کو ان کے حال پر ترس آیا۔ میں نے ان سے کہا کہ میاں فلا نے کیا خوب
اگر تم ایک دراز گوش خرید لو کہ تم کو گرم کنکر اور پتھر سے بچائے اور حشرات الارض
سے بھی حفاظت دے وہ شخص کہنے لگے یاد رکھو میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ
میرا گھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کے دولت خانہ سے متصل ہو حضرت
ابی فرماتے ہیں کہ اس کہنے کا مجھ پر بابر عظیم ہوا حتیٰ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوا اور سب قصہ بیان کیا۔ آپ
نے اُن کو بلایا، اُنہوں نے ویسا ہی جواب دیا اور یہ عرض کیا کہ میں اپنے قدم کو
چلنے میں امید ثواب کی رکھتا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ
وسلم نے اُن سے فرمایا کہ تم کو وہی ملیگا جس کا تم خیال رکھتے ہو۔ روایت کیا
اس کو مسلم نے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مثل سابق اس میں بھی وہی تقریب ہے
جو ابھی اس سے اوپر کی حدیث کے ذیل میں گذری۔ دیکھئے ان انصاری
صحابی نے ایسے عنوان سے یہ مضمون ادا کیا جس کے الفاظ نہایت ناگوار تھے
اور اسی وجہ سے حضرت ابی ہریرہؓ گراں گذرا، عجب نہیں کہ اپنے اخلاص کے اخفاء
کے لئے اس طرز کو اختیار کیا ہو یا اس طرح کی اور کوئی مصلحت ہو۔ آخر
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کے دریافت فرمانے پر مقصود اصلی
واضح ہوا۔ آپ سے اخفاء کی کوئی وجہ نہ تھی۔ ایک حدیث قدسی میں حضرت
ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا
کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بعض لوگوں سے فرمائیں گے کہ میں بیمار ہوا تو نے
میری عیادت نہیں کی۔ وہ عرض کر بیگا لے پر دروگاہ میں تیری عیادت کیسے

کر سکتا ہوں، آپ تورب العالمین ہیں (یعنی آپ کو بیماری سے کیا واسطہ)
ارشاد ہوگا کہ تجھ کو خبر نہیں ہمارا فلا نا بندہ بیمار ہوا تھا اور تو نے اس کی
عیادت نہیں کی۔ تجھ کو خبر نہیں، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھ کو اس کے
پاس پاتا۔ پھر اسی طرح حدیث میں کھانا مانگنے کا اور پانی مانگنے کا ذکر آیا
ہے (یعنی ارشاد ہوگا کہ ہم نے تجھ سے کھانا مانگا، پانی مانگا، وہ بندہ وہی
عرض کر بیگا اور وہی جواب ملے گا) اور ان دونوں میں جواب یہی ہے کہ تو مجھ کو
اس کے پاس پاتا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

یہ حدیث اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ ایسی تعبیریں مجاز ہوا کرتی ہیں
حقیقت پر محمول کر کے عقائد ضراب نہ کئے جاویں۔ قرآن پاک میں تو اس قسم
کی بہت سی آیتیں آیتھما العیزات کملسا رقون اور وَكَانَ
وَرَأَتْهُم مِّلَکٌ یَّأْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَةٍ عَصَبًا ، وَقَدْ مَكَرُوا
وَمَكَرَ اللّٰهُ وَارِد ہوئی ہیں۔

اُمّ الامراض ”تکبر“

اس ناکارہ کا ارادہ تو بہت کچھ لکھنے کا تھا۔ ذہن میں بھی بہت کچھ تھا، مگر اس مرتبہ مدینہ پاک حاضری کے بعد سے طبیعت مسلسل خراب ہی چل رہی ہے بلکہ ہندوستان میں بھی خراب ہی رہی اور خوب خراب ہی خیال یہ تھا کہ حسب دستور مدینہ پہنچ کر طبیعت درست ہو جائے گی۔ مگر اس سال مدینہ پاک حاضری کے بعد سے بھی مسلسل خراب ہی چل رہی ہے اس لئے اس رسالہ کو شروع کر نیکے ہی مرتبہ التوا کا ارادہ کیا مگر دوستوں کے اصرار سے بالکل بند تو نہ ہوا لیکن کئی کئی روز بلکہ ہفتہ عشرہ تک بھی بند کرنا پڑا اور اب تو طبیعت مسلسل خراب رہنے لگی اس لئے دو مضمون لکھ کر رسالہ کو ختم کرنے کا ارادہ کر ہی لیا۔ یہ دونوں مضمون شروع ہی سے ذہن میں تھے کہ اختتام ان دونوں مضمون پر کرنا ہے، ایک اُمّ الامراض ”تکبر“ اور دوسرا اکابر کی شان میں گستاخی۔ کہ یہ دونوں مضمون شریعت اور طریقت دونوں ہی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اُمّ الامراض کا نام بھی میں نے اپنے ایک دوست مخلص صوفی اقبال کے رسالہ سے لیا کہ انھوں نے اُمّ الامراض ”تکبر“ کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا پہلا ایڈیشن تو شائع ہو کر ختم بھی ہو گیا۔ دوسرا اب شائع کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر تو ارادہ ہوا تھا کہ اس مضمون کو ان پر حوالہ کر دوں مگر دوستوں کا اصرار ہوا کہ ہر شخص کا طرز تحریر الگ ہوتا ہے تو اس مضمون کو اپنے رسالہ میں ضرور لکھ۔ میں نے کئی سال

پہلے اپنے کسی رسالہ میں ایک مضمون بہت تفصیل سے لکھا تھا کہ معاصی دو طرح کے ہوتے ہیں، حیوانی اور شیطانی۔ اور اس میں یہ بھی تفصیل سے بیان کیا تھا کہ اللہ جل شانہ کے یہاں حیوانی معاصی اُس کی رحمت سے بہت جلد معاف ہو جاتے ہیں۔ بہت مشہور حدیث ہے کہ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ وَانْ ذِي وَانْ سَرَقَ قَالَ وَانْ ذِي وَانْ سَرَقَ۔ اور اس کو بہت ہی مدلل قرآن و حدیث سے لکھا تھا۔ مگر چونکہ میری عادت ہمیشہ یہ رہی کہ میں اپنی تالیفات کو اپنے اجاب بالخصوص مولانا عبد الرحمن صاحب، قاری سعید احمد صاحب مرحومین کو لفظ لفظ دکھایا کرتا تھا اور جس کو وہ قلم و کریٹے چاہے وہ میری رائے کے خلاف ہو زبانی تو اُن سے لڑ لیا کرتا تھا مگر تحریر میں وہی رہتا تھا جس کو وہ منظور کرتے یہ تو مجھے یاد نہیں رہا کہ کس مسودہ میں تھا۔ ان دونوں دوستوں کی رائے یہ ہوئی کہ اس مضمون سے معاصی شیطانیہ کی اہمیت تو پیدا نہیں ہونے کی، حیوانیہ کی اہمیت جاتی رہیگی۔ اس لئے اس وقت تو نہ ہو سکا مگر اس رسالہ کے مناسبت کبر کا بیان کرنا بہت ضروری ہے کہ یہ سائے معاصی میں صرف میری نگاہ میں نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے ارشادات میں سخت ترین مرض ہے اور طریقت میں تو بہت ہی ہلک ہے۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں بہت اہمیت سے مستقل کتاب اس کے بارے میں ذکر فرمائی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”اللہ جل شانہ نے قرآن پاک میں کئی جگہ کبر کی مذمت

بیان فرمائی ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے سَاخِرُفْ عَن

اِيَّايَ الَّذِيْنَ اَلَايَ (میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ

ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا اُن کو کوئی حق حاصل نہیں۔ {سورۃ اعراف رکوع ۱۱ بیان القرآن} کیونکہ اپنے کو بڑا سمجھنا حق اُس کا ہے جو واقعہ میں بڑا ہے اور وہ ایک خدا کی ذات ہے (بیان القرآن) دوسری جگہ ارشاد ہے کَذَٰلِكَ يَطِيعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ جَبَّارًا (اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور و جابر کے پُوسے قلب پر ٹھہر کر بیٹھتا ہے) (بیان القرآن) اور ارشاد ہے وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِينَ (یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) (بیان القرآن) اور ارشاد ہے وَقَالَ دَعُوا الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَٰخِرِينَ (اور تمھارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمھاری درخواست قبول کر لوں گا جو لوگ میری عبادت سے (جس میں دعا بھی داخل ہے) سرتابی کرتے ہیں وہ عن قریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے) (بیان القرآن) اور تکبر کی مذمت قرآن پاک میں بہت زیادہ آئی ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کے قلب میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے تو جو کوئی

شخص ان دونوں چیزوں میں سے کسی میں مجھ سے جھگڑا کرے گا اُس کو جہنم میں ڈال دوں گا اور ذرا پرواہ نہیں کروں گا۔ اور ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس کے قلب میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا اللہ تعالیٰ اُس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دے گا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آدمی اپنے نفس کو بڑھاتا رہتا ہے یہاں تک کہ جبارین میں لکھ دیا جاتا ہے اور جو عذاب ان کو ہوتا ہے وہی اس کو بھی ملتا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جہنم میں سے ایک گرد نکلے گی جس کے دوکان ہوں گے جن سے وہ سنے گی اور دو آنکھیں ہونگی جن سے وہ دیکھے گی، اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ بولے گی وہ کہے گی کہ میں تین آدمیوں پر مسلط ہوں۔ ہر تکبر ضدی پر اور ہر اُس شخص پر جو اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہو اور تصویر بنانے والے پر۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت اور دوزخ میں مناظرہ ہوا۔ جہنم نے کہا کہ میں ترجیح دی گئی ہوں متکبر اور جبار لوگوں کے ساتھ۔ اور جنت نے کہا کہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ ترجیح دی گئی ہوں جو کمزور اور گرے پڑے اور معمولے بھالے ہوں گے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے انتقال کے وقت اپنے دو صاحبزادوں کو بلایا اور فرمایا کہ میں تمہیں دو چیزوں کا

حکم کرتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں، شرک اور کبر سے (الحديث) اور حضرت ابو ہریرہؓ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ قیامت کے دن جبارین اور متکبرین کو چوٹیوں کے برابر کر دیا جائے گا، لوگ ان کو روندتے ہوئے جائیں گے۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں بہت سی روایات اور آثار کبر کی بُرائی کے ذکر کئے ہیں۔ مختصر رسالہ تو ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ ان میں سے چند بطور نمونہ لکھواتا ہوں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ارشاد ہے (ارشاد الملوک ص ۱۱۳ میں اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے) کسی مسلمان کو حقیر مت سمجھو کہ صغیر مسلمان بھی خدا کے نزدیک کبیر ہے۔ حضرت ذہبؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنت عدن کو پیدا کیا تو اس کی طرف توجہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ تو ہر متکبر پر حرام ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ جل شانہ اس شخص کی طرف نگاہ بھی نہیں کرتے جو اپنی ازار (کنگی وغیرہ) کو متکبرانہ گھسیٹتے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شخص جبکہ اکڑ کر دو چادریں پہنے چل رہا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اچھا لگنے لگا تو اللہ نے اُس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ اور حضرت مطرفؒ بن عبد اللہ نے دیکھا کہ مہلب ریشمی جبہ میں اکڑ کر چل رہا تھا، اُنھوں نے اس سے کہا کہ اے اللہ کے بندے یہ چال (اکڑ کر چلنا) اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کو ناپسند ہے تو مہلب نے کہا کہ تو مجھ کو پچانتا نہیں کہ کون؟ اُنھوں نے

کہا خوب پہچانتا ہوں تیری ابتداء منی کا قطرہ تھی اور تیرا آخر مردار ہو گا جس سے ہر شخص گھٹن کر بیگا۔ اور تو ان دونوں حالتوں کے درمیان میں اپنے پیٹ میں نجاست لئے پھرتا ہے۔ مہلب اکڑا کی چال چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے بندہ جب تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کا مرتبہ بلند فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں بلند ہو۔ اور جب تکبر کرے اور اپنی حد سے بڑھے تو اللہ تعالیٰ اُس کو گرا دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تو ذلیل ہو۔ پھر وہ اپنی نگاہ میں تو بڑا ہو تا ہے اور لوگوں کے نزدیک ذلیل ہو تا ہے۔ حتیٰ کہ لوگوں کی نگاہ میں سو سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص مسجد کے دروازہ پر یہ آواز دے کہ تم میں جو سب سے بُرا ہو وہ باہر نکل آئے تو خدا کی قسم مجھ سے کوئی آگے نہیں بڑھے گا۔ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کو جب یہ مقولہ پہنچا تو فرمایا کہ اسی بات نے تو مالک کو مالک بنا رکھا ہے۔

عزیم صوفی اقبال نے ”اکابر کے سلوک“ ص ۲۲ میں حضرت گنگوہیؒ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے۔ پہلے بزرگ اخلاق سیدہ کے ٹھہرانے کی محنت میں کمرایا کرتے تھے تاکہ یہ کام آسان ہو جائے مگر متاخرین نے خصوصاً ہمارے سلسلہ کے بزرگوں نے یہ طریق پسند کیا کہ ذکر کی اس قدر کثرت کرے کہ یہ اخلاق ذکر کے نیچے دب جائیں اور ذکر تمام باتوں پر غالب آجائے۔ اخلاق سیدہ بہت سے ہیں مگر اکثر نے دُن میں محصور کر دیا ہے، پھر دسوں کا خلاصہ متکبر کو بتایا ہے۔ اگر یہ دور ہو جائے تو باقی خود دور ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس کوئی شخص بیس سال رہا۔ ایک روز

عرض کیا کہ اتنی مدت میں مجھے آپ سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہ شخص اپنی قوم کا سردار اور برادری میں ممتاز تھا۔ آپ سمجھ گئے کہ اس کے دل میں بڑائی ہے فرمایا اچھا ایک بات کرو، اخروٹوں کا ایک ٹوکرا بھر کر خانقاہ کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ اور پکارو کہ جو شخص مجھے ایک جوتا مائے گا اُس کو ایک اخروٹ دوں گا اور جو دو مائے گا تو دو دوں گا۔ اسی طرح زیادہ کرتے جاؤ۔ جب یہ کام کر چکو اور اخروٹ کا ٹوکرا خالی رہ جائے تو میرے پاس آؤ۔ اس شخص نے کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ حضرت یہ کام تو مجھ سے ہرگز نہ ہو گا حضرت جلیقہ نے فرمایا کہ یہ مبارک کلمہ ہے کہ اگر ستر برس کا کافر اس کو ایک مرتبہ صدق دل سے پڑھ دے تو اللہ مومن ہو جائے۔ مگر تو اس وقت اس کے بڑھنے سے کافر طریقت ہو گیا، جانکل جاتے مجھ سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ دوسرے کسی بزرگ کا نام لیکر فرمایا کہ ان کے پاس ایک شخص مدتوں رہا اور پھر شکایت کی کہ قلب کی حالت درست نہ ہوئی شیخ نے فرمایا کہ میان دستی سے تمھارا کیا مقصد ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ حضرت جو نعمت آپ سے ملیگی آپ سے لیکر دوسروں کو پہنچاؤں گا، شیخ نے فرمایا بس اس نیت ہی کی تو ساری خرابی ہے کہ پہلے ہی پیر بننے کی ٹھان رکھی ہے، اس یہودہ خیال کو جی سے نکال دو اور یوں خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں طرح طرح کی نعمتیں دی ہیں اُن کا شکر اور بندگی ہم پر فرض ہے، پس اس اُمید پر جو لوگ ذکر و شغل کرتے یا نماز پڑھتے ہیں کہ ہمیں اس کا نفع ملے یہ ان کی حماقت ہے، ان کی نیت میں فساد ہے۔ کیسا نفع، کہاں کا اجر۔ یہی جسم، یہ آنکھیں، یہ ناک، یہ کان یہ زبان، یہ جو اس حق تعالیٰ نے ہمیں دے رکھے ہیں پہلے ان کے شکر یہ سے تو

فراغت ہوئے تو دوسرے نفع اور اجر کی توقع کرے۔ (تذکرۃ الرشیدین) چونکہ یہ راستہ (سلوک و معرفت) حقیقی سعادت اور بڑی کامیابی کا ہے اس لئے شیطان بھی اس راستہ پر چلنے والوں کی کوششوں کو بیکار کر نیکی پوری پوری کوشش کرتا ہے اس طرح سے کہ ظاہری معروف گناہوں سے پرہیز اور تقویٰ اور عبادات کی کثرت کو اپنی جگہ ہونے دیتا ہے لیکن اندر ہی اندر اُمّ الامراض یعنی کبر کو بڑھاتا رہتا ہے جس سے سب کیا کر ایضاً ہو جاتا ہے۔ (اکابر کا سلوک)

اکمال الشیم ص ۹۵ میں لکھا ہے کہ جس نے اپنے لئے تواضع کو ثابت کیا وہ بے شبہ متکبر ہے کیونکہ تواضع کا دعویٰ تو اپنی رفعت قدر کے مشاہدہ کے بعد ہو گا پھر جب تواضع کا اپنے لئے دعویٰ کیا گیا تو گویا اپنے مرتبہ کی بلندی کا مشاہدہ کیا تو متکبر ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی بستی اور خواری اپنی نظر میں اس درجہ ہو کہ اپنی رفعت شان یا کسی منصب جاہ کا دوسرے تک بھی نہ ہو۔ سر سے پائے آپ کو خوار و ذلیل دیکھے اور جس کا یہ حال ہو گا وہ کبھی دعویٰ کسی بات کا نہ کریگا نہ تواضع کا اور نہ کسی صفت محمود کا اس لئے کہ دعویٰ جب کبھی ہوتا ہے وہ اپنی رفعت کے مشاہدہ سے ہوتا ہے۔

حقیقت میں متواضع وہ نہیں ہے کہ جب کوئی تواضع کا کام کرے تو اپنے آپ کو بلند اور بالا تر سمجھے بلکہ متواضع وہ ہے کہ جب تواضع کرے تو اپنے آپ کو اس سے کمتر اور پست خیال کرے۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص عجز و انکساری اور تواضع کا کام کرے وہ متواضع ہے۔ جیسے کوئی

امیر آدمی اپنے ہاتھ سے کسی غریب کی خدمت کرے تو اس کو کہتے ہیں کہ بیچاے بڑے منکسر مزاج ہیں۔ حالانکہ بعض مرتبہ اس شخص کے اندر تواضع شمرہ برابر بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے شیخ رحمۃ اللہ علیہ متواضع اور غیر متواضع کی حقیقت بیان کرتے ہیں کہ متواضع درحقیقت وہ نہیں ہے کہ جب وہ کوئی تواضع کا کام کرے تو اپنے آپ کو یہ سمجھے کہ میں اس کام سے بلند اور بالاتر ہوں۔ مثلاً اگر کسی چھوڑ کر فرش پر بیٹھ گیا تو فرش پر بیٹھنے کو اپنی قدر و منزلت سے پست سمجھے اور اپنے مرتبہ کو بلند جانے۔ اور یہ خیال کرے کہ میں لائق تو اسی کے تھا کہ کرسی پر بیٹھوں۔ لیکن یہ میں نے تواضع اختیار کی ہے اور بہت اچھا کام کیا تو شخص متکبر ہے کہ اس کے دل میں اپنی قدر و منزلت ہے بلکہ متواضع وہ ہے کہ وہ ہے کہ تواضع کا کام کر کے اس کام سے اپنے آپ کو پست اور ذلیل جانے مثلاً فرش پر بیٹھا اور یہ جانے کہ میں تو ایسا خوار ہوں کہ اس فرش پر بھی بیٹھنے کی لیاقت نہیں رکھتا۔ خالی زمین پر بیٹھنے کے لائق ہوں۔ یا کسی غریب کی خدمت کی اور قلب کی یہ کیفیت ہو کہ اس غریب کی خدمت قبول کر لینے کو اپنا فخر سمجھے اور اپنے آپ کو اس کا اہل نہ جانے۔

یہ طویل مضمون ہے جو مختصر لکھ دیا گیا۔ بہر حال میرا بھی جی اس کو مفصل لکھنے کو چاہتا تھا مگر طبیعت کی فراہمی کی وجہ سے نہیں ختم کر رہا ہوں۔ کبر کا مسئلہ شریعت میں بہت سخت ہے اور طریقت میں اس سے بھی زیادہ۔ اکابر کا معمول ہمیشہ دیکھا اور خوب دیکھا کہ جس کو اثنائے سلوک میں خلافت کا خیال بھی آجاتا تھا وہ حضرات اس کو باوجود حصول نسبت کے خلافت کے دینے میں بہت پس و پیش کرتے تھے اور خلافت مل جانے کے بعد بھی کبر

آثار شروع ہونے پر اگر تنبیہ سے کام چل جاتا تو خیر و نہ اجازت کو منسوخ کر دیتے۔ میں نے اکابر کے بعض خلفاء کو جو بہت ذاکر و شاعل تھے اس کبر کی وجہ سے گرتے ہوئے دیکھا ہے۔ خلافت کے بعد اس سے بچنے کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ اگر شیخ کی طرف سے خلافت منسوخ بھی نہ کی جائے تو سلسلہ نہیں چلتا اور ان کے مریدین بہت کم کامیاب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس ہلک مرض سے نجات عطا فرمائے اور میرے دوستوں کو خاص طور سے اور جملہ سالکین کو محض اپنے فضل و کرم سے بہت ہی محفوظ رکھے بہت ہی خطرناک معاملہ ہے۔ کبر کا معاملہ تو بڑا ہے لیکن اس سے بھی بہت ہلکی چیز جو عجب ہے وہ بھی نہایت قابلِ احتراز ہے۔ کیونکہ اس کے نتائج بھی بسا اوقات ناقابلِ برداشت ہو جاتے ہیں چنانچہ اسی عجب کی بدولت غزوہ حنین میں حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف فرما ہونے کے باوجود صحابہ کرام کو سخت پریشانی اُٹھانی پڑی۔ سورہ توبہ میں آدھے پارہ کے قریب تیسرے رکوع میں یہ قصہ مفصل مذکور ہے اور بیان القرآن میں مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور حنین کے دن بھی جس کا قصہ عجیب غریب ہے تم کو غلبہ دیا، جبکہ یہ واقعہ ہوا تھا کہ تم کو اپنے جمع کی کثرت سے غرور ہو گیا تھا۔ پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی۔ اور کفار کے تیر برس نے ایسی پریشانی ہوئی کہ تم پر زمین باوجود اپنی اس فراخی کے تنگی کرنے لگی، پھر آخر تم بیٹھ دیکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے قلب پر اور دوسرے مومنین کے قلوب پر اپنی طرف سے تسلی نازل فرمائی۔

اور مرتدین کی لڑائی میں حضرت خالد بن ولیدؓ کا ارشاد کہ مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے۔

مرتدین کی لڑائی میں اول طلحہ کذاب سے معرکہ ہوا جس میں بہت سے لوگ بھاگ گئے کچھ مائے گئے خود طلحہ بھی بھاگ گیا اس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اس کے بعد مسلمہ کی جماعت سے لڑائی ہوئی جس میں بہت سخت مقابلہ ہوا، ہزاروں آدمی اس کی جماعت کے قتل ہوئے اور مسلمانوں کی بھی بڑی جماعت شہید ہوئی حضرت خالد بن ولیدؓ ان معرکوں کے سپہ سالار تھے، فرماتے ہیں کہ جب ہم طلحہ کذاب سے فارغ ہو گئے اور اس کی شوکت کچھ زیادہ نہ تھی تو میری زبان سے ایک کلمہ نکل گیا اور مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے (میں نے کم دیا تھا) بنی خنیفہ میں ہی کیا چیز؟ یہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے لوگوں سے ہم منٹ چکے ہیں (یعنی طلحہ کی جماعت) مگر جب ہم اس کی جماعت سے بھڑے تو ہم نے دیکھا کہ وہ کسی کے مشابہ نہیں ہیں۔ طلوع آفتاب سے لیکر عصر کے وقت تک وہ برابر مقابلہ کرتے رہے۔ حضرت خالدؓ خود اقرار کرتے ہیں کہ ایک جملہ زبان سے نکل گیا تھا جس کی وجہ سے اتنے سخت مقابلہ کی نوبت آئی۔ اسی وجہ سے حضرات خلفاء راشدین جب کسی فوج وغیرہ کو کامیابی کی مبارکباد دیتے تھے تو بڑی تاکید اس کی فرماتے تھے کہ عجب پیدا نہ ہو۔ اعتدال ص ۱۲ پر اس کے بہت سے قصے لکھے ہیں۔ اس کے بالمقابل عجز و انکساری اللہ تعالیٰ کو بہت پسندیدہ اور محبوب ہے جو ہمیشہ انبیاء و اولیاء عظام کا شعار رہا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سر مبارک

بھکا ہوا تھا سراپا عجز و انکسار تھے۔ ایک ایک اداسے تواضع و عفو کا ظہور ہو رہا تھا حالانکہ یہ اس وقت کے سب سے بڑے دشمن کے مقابلہ میں سب سے بڑی فتح تھی اسی کا ثمرہ تھا کہ سرکش اور حد درجہ معاند مطیع و منقاد ہوئے چلے گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ پروردگار عالم کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا شفقت و رحمت ہیں اور بہت بڑی دولت و نعمت (ایک) ہم کو عطا فرما رہے ہیں اور یہ کہ یہ اقتدار اور ملک گیری کی جنگ نہیں۔

”اسیر مالٹا“ ص ۱۵۹ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ الحداد کا طبعی مذاق تھا کہ وہ غرباء اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے اور اپنی عادت، لباس، چال، معاملات وغیرہ اس قسم کا رکھنا چاہتے تھے۔ اہل دنیا اور امراء اور تکلف واولوں سے گھبراتے تھے۔ طالب علموں سے بے حد انس تھا، ریل میں تیسرے درجہ میں سفر کرنا پسند فرماتے تھے مگر بایں ہمہ طبیعت میں صفائی بھی بہت زیادہ تھی۔ سفر میں عموماً کافور ساتھ رکھتے تھے، کیونکہ بہت سے میلے کچیلے آدمیوں کی بدبو سے سخت تکلیف ہوتی تھی، عطر اور وہ بھی گلاب کا نہایت ہی مرغوب تھا۔ سادگی اور سادہ لوگوں سے میل ملاپ اور ان سے مجالست نہایت زیادہ محبوب تھی۔ اپنے آپ کو بنانا و ضرداری تکلف سے طبعی نفرت تھی۔ بارہا حضرت مولانا نانوتویؒ کا مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ عوام الناس کا بیت الخلا (قضائے حاجت کی جگہ) بھی برکت والا ہے یعنی وہ پائخانے جو خواص اور اُمراء کیلئے بنائے جاتے ہیں اگرچہ وہ صاف ستھرے اور بدبو سے منزہ بہت زیادہ ہوتے ہیں مگر ان میں نحوست اور خرابی ہوتی ہے بخلاف عوام کے پائخانوں کے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس کو

اپنی تعلیٰ مرغوب ہے۔ وہ اپنی رفعت اور بڑائی کا از حد خواہاں ہے اور یہی تمام برائیوں اور دنیا و آخرت کی روسیاهی کی جڑ ہے۔ اس لئے اہل اللہ اور کاملین حضرات جن امور میں تھوڑی سی بھی نفس کی تعلیٰ اور اس کا تقوٰی محسوس کرتے ہیں، اس کو بڑائی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جس میں کسب نفسی اور ذلت ظاہری نظر آتی ہے اُس کو محبوب رکھتے ہیں۔ ظاہری بدبو اور کثافت مادی معنوی بدبو اور کثافت روحانی کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں اور نہ کوئی حیثیت رکھتی ہے۔ امراء کا بیت الخلا، نفس میں عجب اور رعونت پیدا کرتا ہے اور عوام الناس کا بیت الخلا، یہ چیز پیدا نہیں کرتا بلکہ برخلاف اس کے تواضع اور نفس کی حقارت دکھلاتا ہے اور انسانوں کو قدسے اپنی حالت اور نجاست کو بھی یاد دلاتا ہے۔ جب پاخانہ کی یہ حالت ہے تو دوسرے اوضاع، اطوار، مکانات البسہ وغیرہ کو اسی پر قیاس فرمالیجے فرماتے تھے کہ فقہاء، نے حوض سے وضو کرنے کو افضل لکھا ہے۔ شراح فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ کا خلاف اور ان کی دل شکنی کی جلئے مگر کہیں منقول نہیں کہ معتزلہ نے حوض سے وضو کرنے پر کسی قسم کا انکار کیا ہو۔ میری سمجھ میں تو آتا ہے کہ نفس کی اصلاح اس میں بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس پر نہایت شاق بھی گذرتا ہے۔ کیونکہ ایک ہی جگہ سے ایک شخص نے پاؤں دھویا ہے دوسرا آتا ہے اور اُس پانی کو منہ اور ناک میں ڈالتا ہے اور اس سے چہرہ کو دھو تا ہے۔ اس لئے نفس امارہ والے اور بڑے بڑے دنیا دار اس سے وضو کرنے میں اپنی ہتک اور بے حرمتی سمجھیں گے۔ غالباً حوض میں وضو کرنا اسی بنا پر نہایت افضل ہے۔ واقعیت تو یہ ہے کہ

یہ دونوں استاد شاگرد یعنی حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہ اور حضرت مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ اس بات کی تلاش میں رہتے تھے کہ کس بات میں فرد تنی، نفس کشی، غم، تولد، تواضع انکساری ہوتی ہے اس کیلئے از حد کوشاں ہوتے تھے اور جس چیز میں رعونت، جاہ طلبی، نفس پرستی، شہرت تعلیٰ، خود داری ہوتی تھی، اس سے کوسوں دور بھاگنے کی فکر کرتے تھے، پھر یہ بھی نہ تھا کہ عام قاعدہ کے موافق زبانی اور ظاہری جمع خرچ ہو یوں تو ہم سمجھوں گی حالت ہے کہ اپنے آپ کو زبان سے کمترینِ خلایق، سب دنیا، ذرہ بے مقدار نابکار، ننگِ خلایق وغیرہ کہتے رہتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں، مگر یہ سب کاروائی عامۃً منافقانہ اور ریاکاری کی بنا پر ہوتی ہے۔ قلب میں اس کا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس یہ خیال دل میں جاگزیں ہوتا ہے کہ ”ہم چون دیگرے نیست“ اور اسی وجہ سے دوسروں کی عیب جوئی، اُن کی نکتہ چینی، غیبت وغیرہ ہوتی رہتی ہے۔ کسی اپنے معاصر کی بلکہ بسا اوقات اپنے سے پہلوں کی کوئی بھلائی سن لیتے ہیں تو بدن میں آگ سی لگ جاتی ہے اور طرح طرح سے ہمیں عیب نکالے جاتے ہیں، کوشش کی جاتی ہے کہ شخص لوگوں کی نظروں سے ساقط ہو جائے۔ اگر کوئی ہم کو جاہل، نالائق، احمق، گدھا، کتا، سور وغیرہ کہہ دیتا ہے تو آگ بجولا ہو جاتے ہیں۔ ہم کمترینِ خلایق کہنے میں سچے تھے تو گدھا، کتا وغیرہ کہنے سے کیوں برا ماننے ہیں، آخر خلایق میں سے تو وہ بھی فقط اور مجھے تو سینکڑوں دفعہ اس کو بھگتنا پڑا کہ جب میں بھی عجیب تکبر کا (زبان سے نہیں) دل میں بھی جب کوئی اس قسم کا خیال گذرا تو اسے خوب بھگتنا پڑا۔ ۱۳۸۲ھ کی مظاہر علوم کی اسٹراٹک نے اس پر کچھ کتبہ کو تعلیم

میں منتقل ہوا اور اہل شوریٰ مشورہ کیلئے بیٹھے تو اس ناکارہ نے
 بیٹے زور سے کہا کہ دورہ کا کوئی طالب علم تو اس میں شریک
 ہے نہیں۔ ہمارے مدرسہ کے نائب مہتمم تعلیمات مولینا
 عبد المجید مرحوم نے بہت دبی زبان سے کہا کہ حضرت دوسرے
 والے بھی ہیں۔ اس احمق نے پہلے سے زیادہ زور سے کہا کہ دورہ
 کا کوئی طالب علم نہیں ہو سکتا۔ مگر تحقیقات کے بعد معلوم ہوا
 کہ دورہ والوں میں سے شاید ہی کوئی باقی رہا ہو۔ اور زیادہ
 حیرت اور خفاق اس پر ہوا کہ میرے مخلص دوست جو ہمہ تن اپنے
 آپ کو مخلص ظاہر کر رہے تھے اور ناظم صاحب کے مخلص خدام
 میں تھے ظاہر میں ہم سے ملتے رہے اور اندر خانہ فساد یوں کے تھے
 رہے۔ اور میرے اس زور کا مبنی یہ تھا کہ میں ہمیشہ دورہ کے
 سبق میں طلباء کے حق میں ان کے مقام کے متعلق ان کے
 نائب رسولؐ ہونے کا اور عنقریب مقتدرائے قوم بننے کا تذکرہ
 تو ہمیشہ سے کرتا رہتا تھا۔ اس سال میں نے خاص طور سے
 بخاری شریف کے سبق میں سال کے شروع سے ہر سبق میں
 مستقل اس پر زور دینے کا اہتمام کر رکھا تھا اور اپنی نااہلیت
 سے یہ سمجھ گیا تھا کہ طلباء بہت متاثر ہوں مگر جب ان کے تاثر کا
 پس منظر دیکھا تو بار بار میری زبان پر آتا تھا کہ

وہ محروم تمت کیوں نہ ہوئے آسمان دیکھے
 کہ جو منزل بمنزل اپنی محنت پہنچاں دیکھے

تدریس سے بالکل ہی بے رغبت کر دیا بلکہ گویا پڑھانا ہی چھوڑ دیا۔ اس
 اسٹرانک میں مفسدین اور فتنہ پردازوں کی طرف سے فحش، جھوٹ
 جھوٹی قسمیں اور بہت کچھ پیش آیا مگر اس ناکارہ کے مزاج میں چونکہ ہر
 واقعہ میں مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ کے مطاب
 کا قدیم معمول ہے، اس اسٹرانک کے ظاہری اسباب تو جو بھی کچھ ہوں مگر حضرت
 خالد بن ولیدؓ کے ارشاد کے موافق الْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ پر غور کرنے سے
 امور ذیل ظاہر ہوئے۔

(۱) اس حادثہ سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے ہمارے ایک مدرس کے
 سبق میں کسی مدرسہ کی اسٹرانک کا ذکر آگیا تو بڑے جوش میں
 کہہ دیا کہ مظاہر میں کبھی اسٹرانک ہوتی نہیں۔

(۲) اس حادثہ کی ابتدا مدرسہ کی شاخ سے پیدا ہوئی کہ ایک
 غیر مسلم نے ایک مخفی طالب علم کو یہ مشورہ دیا کہ اگر تم متفق
 ہو جاؤ تو مدرسہ والے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس طالب علم
 نے شاخ کے کواڑ بند ہونیکے بعد طلباء کو جمع کیا اور بہت آبدیدہ
 ہو کر تقریر کی۔ مجھے علی الصباح اس کا حال معلوم ہوا تو میں نے
 ناظم شاخ کو بلا کر پوری بات سنائی۔ ناظم صاحب نے کہا کہ
 جناب بالکل بے فکر رہیں وہ کچھ نہیں کر سکتا، میں ابھی جا کر
 اس کا انتظام کرتا ہوں۔ میں نے بار بار ان کو متوجہ بھی کیا مگر
 وہ بڑے زوروں پر تھے۔

(۳) جب اس ہنگامے نے کچھ طول پکڑا اور شاخ سے مظاہر علم

اب تک بھی جب وہ منظر یاد آجائے ہے تو اپنی ہی کوتاہی اس کا منشا معلوم ہوتی ہے۔ اس سبب کار میں اگر کچھ اخلاص ہوتا تو ان پر بھی اثر ہوتا۔ اس سال سے پہلے تک جب کسی مدرسہ کی اسٹرائیک اور طلباء کی زبانی ان کی مطلوبیت کی داستانیں سنا کرتا تھا تو ہمیشہ طلباء کے ساتھ ہماری ہمدردیاں ہوتی تھیں لیکن اس سال جو مناظر بہت تفصیل سے اپنی آنکھوں نے دیکھے اس کے بعد سے جب کسی مدرسہ کی اسٹرائیک کا حال سُنتا ہوں تو میری ہمدردیاں تو اہل مدرسہ کے ساتھ ہوتی ہیں اور طلباء کو ہمیشہ ظالم سمجھتا ہوں قافی المشتکی وهو المستعان اور یہ منظر بہت ہی جذرِ قلب میں گھس گیا اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس سے نجات عطا فرمائے کہ تکبرِ اثم الامراض ہے اور بڑے سے بڑے کو بھی گرا دیتا ہے۔ بہت سے مشائخ سلوک کو بھی اس ہلک مرض کی وجہ سے گرتے ہوئے دیکھا اور حضرت شیخ ابو عبد اللہ اندلسی کا واقعہ تو میرے دل میں ایسا جما ہوا ہے اور چھپا ہوا ہے کہ اکثر بے اختیار زبانِ قلم پر آجاتا ہے۔ میں سالکین اور تصوف سے ذرا سا تعلق رکھنے والوں کے متعلق بھی یہ چاہتا ہوں کہ یہ ہر ایک کے دل میں اُترا ہوا ہو، شیخ ابو عبد اللہ اندلسی مشہور شیخ المشائخ اکابر اولیاء اللہ میں ہیں ہزاروں خانقاہیں ان کے دم سے آباد، ہزاروں مدارس ان کے فیوض سے جاری، ہزاروں شاگرد ہزاروں مریدین۔ منہ کا ختم ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو دو سو سال گزے ہیں۔ خیر القرون کا زمانہ گویا موجود ہے۔ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ ایک دفعہ بارادہ سفر تشریف لیگئے ہزاروں مشائخ و علماء ہر کاب میں جن میں حضرت جنید بغدادی، حضرت

شبلیؒ بھی ہیں۔ حضرت شبلیؒ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ نہایت ہی خیرات و برکات کے ساتھ چل رہا تھا کہ عیسائیوں کی ایک بستی پر گذر ہوا۔ نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا، بستی میں پانی نہ ملا۔ بستی سے باہر ایک کنوئیں پر چند لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں۔ حضرت شیخ کی نگاہ ایک لڑکی پر پڑی حضرت کی نگاہ اس پر پڑتے ہی تغیر ہونے لگا۔ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ اس کی گفتگو کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ تین دن کامل گذر گئے کہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں کسی سے بات کرتے ہیں۔ حضرت شبلیؒ کہتے ہیں کہ سب خدام پریشان حال تھے دن میں نے جرأت کر کے عرض کیا یا شیخ آپ کے ہزاروں مریدین آپ کی اس حالت سے پریشان ہیں۔ شیخ نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں۔ بیروں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اُس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ تمام اعضا، وجوہ و اجزا پر اسی کا تسلط ہے۔ اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو نہیں چھوڑ دوں۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ لے ہمارے سردار آپ اہل عراق کے پیرو مرشد، علم فضل و نفع و عبادت میں شہرہ آفاق ہیں۔ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے بطفیل قرآن عزیز ہمیں اور ان سب کو رسولانہ کیجیے۔ شیخ نے فرمایا میرے عزیز میرا تمہارا نصیب تقدیر خداوندی ہو چکی ہے۔ مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا ہے اور ہدایت کی علامات اٹھال گئیں۔ یہ کلمہ رونا شروع کیا اور کلمے میری قوم قضا و قدر نافذ ہو چکی ہے اب کام میرے بس کا نہیں۔ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا

شیخ بھی ہمارے ساتھ روئے تھے۔ یہاں تک کہ زمینِ آفسوؤں سے اُمنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہو گئی۔ اس کے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے۔

جب ہم نے واپس آ کر یہ واقعات سُنائے تو شیخ کے مُریدین میں کھرام مچ گیا۔ چند آدمی تو اسی وقت غم و حسرت میں عالمِ آخرت کو سدھار گئے اور باقی لوگ گڑگڑا کر خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں دعائیں کرنے لگے کہ اے مقرب القلوب شیخ کو ہدایت کر اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹائے۔ اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہو گئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت و افسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹے رہے۔ ایک سال کے بعد جب مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا، اس گاؤں میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا تو گاؤں والوں نے بتایا کہ وہ جنگل میں سو رہا ہے۔ ہم نے کہا خدا کی پناہ یہ کیا ہوا۔ گاؤں والوں نے بتایا کہ اُس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی، اُس کے باپ نے اس شرط پر منظور کر لیا اور وہ جنگل میں سو رہا ہے۔ ہم یہ سُن کر ششدر رہ گئے اور غم سے کلیجے پھٹنے لگے۔ آنکھوں سے میساخہ آنسوؤں کا طوفان اُمنڈنے لگا۔ بمشکل دل تھام کر اس جنگل میں پہنچے جس میں وہ سو رہا ہے۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی اور کمر میں زنا رہا ہوا ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ہم نے قریب پہنچ کر

السلام علیکم کہا۔ شیخ نے کسی قدر دبی زبان سے وعلیکم السلام کہا۔ حضرت شبلی نے عرض کیا کہ اے شیخ اس علم و فضل اور حدیث و تفسیر کے پوتے ہوئے آج تمہارا کیا حال ہے۔ شیخ نے فرمایا میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں میرے مولیٰ نے مجھے جیسا چاہا ویسا کر دیا اور اس قدر مقرب بنانے کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دیا تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا ہے۔ اے عزیزو! خدائے بے نیاز کے قہر و غضب ڈرو، اپنے علم و فضل پر مغرور نہ ہو۔ اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا کہ اے میرے مولیٰ! میرا لکنا تو تیرے ہاتھ میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل و خوار کر کے اپنے دروازہ سے نکال دینا۔ یہ کہہ کر خدا تعالیٰ سے استغاثہ کرنا اور رونا شروع کر دیا اور فرمایا اے شبلی اپنے غیر کو دیکھ کر عجرت حاصل کر شبلی نے روتے ہوئے عرض کیا اے ہمارے پروردگار ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں اور ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھر دے ہے، ہم سے یہ مصیبت دور کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفعہ کرنے والا نہیں۔ خنزیر اُن کا رونا اور اُن کی دردناک آواز سننے ہی اُن کے پاس جمع ہو گئے اور انھوں نے بھی چلانا اور رونا شروع کر دیا۔ ادھر شیخ بھی زار روئے تھے۔ حضرت شبلی نے عرض کیا کہ شیخ آپ حافظِ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قراتوں سے پڑھا کرتے، اب بھی کوئی اس کی آیت یاد ہے؟ شیخ نے کہا کہ اے عزیز! مجھے قرآن میں دو آیت کے سوا کچھ یاد نہیں رہا..... ایک تو یہ ہے وَمَنْ يَهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ (جس کو اللہ ذلیل کر لے اُس کو کوئی عزت دینے والا نہیں، بیشک اللہ جو چاہتا ہے

کرتا ہے) اور دوسری یہ ہے وَمَنْ يَتَّبِدَلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ (جس نے ایمان کے بدل میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہو گیا) حضرت شبلی نے عرض کیا اے شیخ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے برزبان یاد تھیں، اب ان میں سے بھی کوئی یاد ہے؟ شیخ نے کہا صرف ایک حدیث یاد ہے یعنی مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اُس کو قتل کر ڈالو) حضرت شبلی فرماتے ہیں ہم نے یہ حال دیکھ کر شیخ کو وہیں چھوڑ کر بغداد کا قصد کیا۔ ابھی تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ ایک نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور آواز بلند شہادتین اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتے جاتے تھے۔ اس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت کا اندازہ ہو۔ بعد میں شیخ سے ہم نے پوچھا کہ کیا آپ کے اس ابتلاء کا کوئی سبب تھا تو شیخ نے فرمایا ہاں جب ہم گاؤں میں اترے اور بُت خانوں اور گر جا گھروں پر سہارا گذر ہوا آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مومن موقد ہیں اور یہ کج بخت کیسے جاہل و احمق ہیں کہ بے حس و شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ یہ ایمان و توحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو جو ان کو حقیر سمجھتے ہو۔ اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلا دیں۔ اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا ایک پزندہ

میرے قلب سے نکل کر اڑ گیا جو حقیقت ایمان تھا۔ فقط مجھے اس سائے قصہ میں اخیر کا یہ مضمون لکھوانا تھا ورنہ اصل واقعہ تو آپ بتی میں مفصل آچکا ہے اور صوفی اقبال صاحب نے اسی سے اکابر کے سلوک "میں نقل کیا ہے اور حکیم الیاس نے اس واقعہ کو شیخ اندلسی کا ایک عجیب عبرتناک واقعہ کے نام سے مستقل رسالہ کی صورت میں بھی شائع کیا ہے۔ یہ تکبر ایسی بُری بلا ہے کہ شیخ المشائخ تک کو بھی کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی محض اپنے فضل و کرم سے اس مصیبتِ عظمیٰ سے بچائے آمین۔

اکابر کی شان میں گستاخی

آخری مضمون جو سب سے زیادہ اہم ہے اور خطرناک ہے وہ اکابر علماء ہوں یا محدثین فقہاء کرام ہوں یا صوفیہ و عظام، ان کی شان میں بے ادبی گستاخی ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے وَالشَّاقِقُونَ اَلَا وَلَوْ نَشَاءُ لَمُكَرِبُ الْمَهْلِكِينَ وَالْاَنْصَار۔ الایۃ (اور جو مہاجرین اور انصار ایمان لانے میں سبقت سے سابق اور مقدم ہیں اور بقیۃ اُمت میں جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ایمان لانے میں ان کے پیرو ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا کہ ایمان مقبول فرمایا جس پر جزا ملے گی اور وہ سب اس اللہ سے راضی ہوئے کہ طاعت اختیار کی جس کی جزا سے یہ رضا اور زائد ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ (بیان القرآن)

درمنثور میں اس آیت کی تفسیر میں متعدد احادیث اور آثار نقل کئے ہیں۔ اس میں امام اوزاعی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ مجھ سے کبھی ابن کثیر اور قاسم اور مکحول اور عبدۃ بن ابی لبابہ اور حسان بن عطیہ نے حدیث بیان کی اُنھوں نے صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ میری اُمت کیلئے ہے اور رضا کے بعد ناراضگی نہیں ہے۔ اس آیت شریفہ کے ذیل میں صوفیہ کرام جو حدیث احسان کے

بھی مصداق ہیں آگئے۔ یہ مضمون اعتدال میں بہت تفصیل سے گذرا ہے۔ مختصراً اسی سے نقل کراتا ہوں البتہ یہ ضروری ہے کہ جو لوگ علماء حق کے دہے آزار ہیں اُن کی اہانت و تذلیل کو فخر سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں۔ وہ غالباً بلکہ یقیناً علماء کی بہ نسبت اپنا نقصان زیادہ کر رہے ہیں۔ علماء کا تو زیادہ سے زیادہ یہ نقصان کریں گے کہ کچھ دنیوی متاع میں شاید نقصان پہنچا سکیں بشرطیکہ یہ گالیاں دینے والے لوگ مقدر میں کچھ کمی کر سکیں پر قادر ہوں یا دنیاوی عزت و جاہ کو جو نہایت ہی بے وقعت اور ناپائیدار چیز ہے نقصان پہنچا سکیں۔ مگر یہ لوگ اپنے آپ کو برباد کر رہے ہیں اور اپنا دینی و دنیاوی نقصان کر رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ شخص میری اُمت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کی قدر نہ کرے۔ اس ارشاد نبوی کے بعد علماء کو علی العموم گالیاں دینے والے اپنے کو اُمت محمدیہ میں شمار کرتے رہیں لیکن صاحب اُمت ان کو اپنی اُمت میں شمار کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حاملین قرآن اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں۔ جو شخص ان سے دشمنی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دشمنی کرتا ہے۔ اور جو ان سے دوستی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دوستی کرتا ہے۔ امام نووی شرح مہذب میں لکھتے ہیں کہ بخاری شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کو ستلے میری طرف سے اُس کو لڑائی کا اعلان ہے اور خطیب بغدادی نے حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے نقل

کیا ہے کہ اگر فقہاء (علماء) اللہ تعالیٰ کے ولی نہیں ہیں تو پھر اللہ کا کوئی ولی ہے ہی نہیں۔ جبرالامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی فقیہ (عالم) کو اذیت پہنچائے اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی۔ اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائے اُس نے اللہ جل جلالہ کو اذیت پہنچائی۔ حافظ ابوالقاسم ابن عساکر فرماتے ہیں میرے بھائی ایک بات سُن لے، حق تعالیٰ شانہ مجھے اور تجھے اپنی رضا کے اسباب کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو ان لوگوں میں داخل فرمائے جو اس سے ڈرنے والے ہوں اور جیسا کہ چاہیے ولیا تقویٰ کرنے والے ہوں (یہ بات سُن لے) کہ علماء کے گوشت (غیبت) نہایت زہریلے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی پردہ دری میں اللہ تعالیٰ کی عادت سب کو معلوم ہے کہ جو لوگ علماء کی اہانت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی پردہ دری فرماتے ہیں جو شخص ان کو عیب لگانے میں لب کشائی کرتا ہے مرنے سے پہلے حق تعالیٰ شانہ اس کے دل کو مردہ بناتی ہے۔ مولانا عبداللہ الحلیؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں اگر گالیاں دینے والے کا مقصد علم اور علماء کی تحقیر علم کی وجہ سے ہے تو فقہاء اس کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں ورنہ اگر اود وجہ سے ہے تب بھی اس شخص کے فاسق اور فاجر ہونے میں اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور دنیا اور آخرت کے عذاب کے مستحق ہونے میں شبہ نہیں۔ فقط۔

اس کے بعد فقہاء کے کلام سے نیز قرآن پاک اور احادیث سے اس مضمون کی تائید فرمائی ہے۔ جن لوگوں کو دنیوی مشاغل سے فراغت ہو۔ اور ان چیزوں کو بیکار نہ سمجھیں وہ ان کو ضرور ملاحظہ کریں۔ حضرت گنگوہیؒ کے خدام میں ایک

صاحب کو کشف قبور بہت ہوتا تھا وہ میرے والد کے انتقال پر تعزیت کیلئے آئے اور قبرستان بڑی دیر تک بیٹھے رہے۔ انھوں نے مجھے آکر والد صاحب کی طرف سے تین پیام دیئے۔

(۱) مجھ پر قرض کا کوئی مطالبہ نہیں ہے فکر رہو۔ چونکہ والد صاحب کے انتقال کے وقت تقریباً آٹھ ہزار کا قرض تھا اور مجھے اس کا بہت فکر سوار تھا۔ چنانچہ انتقال کے دوسرے دن میں نے چچا جان مولانا محمد الیاس صاحب کے مشورہ سے سب قرض خواہوں کو ایک کارڈ لکھ دیا کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا ان کے ذمہ جو قرض تھا آج سے وہ میرے ذمہ ہے۔ میرے حضرت اس وقت حجاز سے واپسی پر حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ چونکہ یہ سفر ہوا تھا۔ اور سال بھر قیام بھی دونوں کا حجاز رہا تھا۔ جب حضرت حیل سے تشریف لائے تو میرے حضرت نے اس تجویز کو پسند نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا تمہیں یہ لکھنا چاہیئے تھا کہ ان کا ترکہ کتابیں ہیں اپنے قرض کے موافق کتابیں لے لو۔ (۲) یہ پیام دیا کہ فلاں شخص کے متعلق فکر مت کر مجھ پر کوئی اثر اس کا نہیں مگر اس کیلئے بہت مضر ہوا۔ یہ ایک صاحب تھے جن کو میرے والد صاحب سے بغض و عناد تھا وہ بہت تنقید کیا کرتے تھے۔ مجھے والد صاحب کے انتقال کے بعد ان کی شکایات کا بھی فکر ہے تھا۔ چنانچہ اس دوسرے پیام کا اثر تو میں نے خود دیکھا کہ وہ میرے حضرت کے یہاں سے معتوب ہوئے مدرسہ سے نکالے گئے۔

(۳) پیام یہ تھا کہ ان اللہ والوں سے بہت ڈرتے بیٹھے یہاں ان کی اُلٹی بھی سیدھی ہوتی ہے۔ میرا بچپن تھا۔ طالب علمی کا زمانہ تھا میری کچھ

میں نہ آیا کہ الٹی تو بہر حال الٹی ہے چاہے کوئی اللہ والا کچھ چاہے کوئی دنیا دار
 کئی دفعہ سوچا بھی کہ اس پیام کا کیا مطلب، دس برس بعد ۱۹۷۷ء میں سلسلہ
 بذل میرا مدینہ منورہ میں قیام رہا۔ مدرسہ کے سلسلہ میں میرے حضرت
 نور اللہ مرقدہ کے پاس بعض حضرات ناظم صاحب کی جھوٹی بچی شکایتیں
 لکھا کرتے تھے۔ اور میں چونکہ ان سے واقف بھی تھا اور میرے پاس براہ راست
 بھی خط آتے رہتے تھے۔ میں حضرت قدس سرہ کے یہاں ان کی شکایات
 کی تردید کیا کرتا تھا اس لئے کہ ڈاک میں ہی لکھا کرتا تھا.....
 مجھے تو حضرت قدس سرہ نے کوئی لفظ اس سلسلہ
 میں نہیں فرمایا۔ میں بسا اوقات گستاخانہ طریقہ سے بھی تردید کیا کرتا تھا،
 مگر جب ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ میں میری حجاز سے واپسی ہوئی اور مولانا عبد القادر
 صاحب رائیپوری بھی میرے ساتھ ہی تشریف لائے تو حضرت نور اللہ مرقدہ
 نے ان کی معرفت حضرت ناظم صاحب کی خدمت میں یہ پیام بھیجا کہ فلاں
 شخص کے ساتھ آپ کا معاملہ اچھا نہیں ہے اس سے بہترین سلوک کیا
 کریں۔ حضرت مولانا نے میرے سامنے ناظم صاحب کو یہ پیام پہنچایا مگر
 ناظم صاحب نے فرمایا کہ وہ جھوٹی شکایتیں لکھتا ہے اور بہت لاپرواہی
 سے جواب دیا۔ حضرت مولانا عبد القادر صاحب نور اللہ مرقدہ کا چہرہ فق
 ہو گیا۔ اور میں نے حضرت مولانا سے خاص طور سے پوچھا کہ گیارہ برس پہلے
 تو اباجان کا یہ پیام آیا تھا میں اُس وقت بھی سوچتا رہ گیا اور آپ کا چہرہ
 دیکھ کر وہ بات پھر یاد آگئی کہ ناظم صاحب نے سچ فرمایا کہ وہ شکایتیں
 جھوٹی کرتا ہے مگر آپ کے چہرہ کو دیکھ کر مجھے وہ پرانی بات یاد آگئی۔ حضرت

رائیپوری نے یوں فرمایا کہ تمہارا اشکال صحیح ہے ناحق تو ناحق ہی ہے مگر
 ان اللہ والوں کے دل میں کسی کی طرف غلط شکایات پر بھی کدھر پیدا
 ہو جائے تو ان کے تکتہ رکاز اثر رنگ لائے بغیر نہیں رہتا۔ اس کے
 بعد سے تو مجھے بہت سے تجربات اس کے ہوئے کہ واقعی ان اللہ والوں
 کا تکتہ کسی نہ کسی مصیبت میں ضرور پھانس دیتا ہے۔ اس کے بعد سے
 تو میں بہت ہی ڈرنے لگا اور دوستوں کو بھی تاکید کرنے لگا کہ اس
 گھنڈ میں نہ رہو کہ حق ہمارے ساتھ ہے۔ ان مرثوں کے تکتہ رسے بہت
 بچتے رہو۔ جہاں تک ہو سکے اپنی صفائی ضرور کرتے رہو۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری کی حدیث
 میں ہے کہ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے کہ جو میرے کسی ولی سے دشمنی کے
 اس نے میرے سے دشمنی کا اعلان کیا۔ علامہ موصوف کہتے ہیں کہ یہ سب سے
 زیادہ صحیح حدیث ہے جو اولیاء کے بارے میں وارد ہوئی ہے کہ حضور اقدس
 صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا کہ جو اللہ تعالیٰ کے کسی ولی سے عداوت
 رکھے وہ اللہ جل شانہ سے لڑائی باندھنے کیلئے میدان میں آیا۔ اور دوسری
 حدیث میں ہے کہ میں اپنے ولی کیلئے ایسا انتقام لیتا ہوں جیسا جنگجو شیر
 اپنا بدلہ لیتا ہے اور اس لئے کہ یہ اولیاء اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اللہ
 تعالیٰ سے موالاة (دوستی) کی اور اسی کو پسند کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ
 نے پسند کیا اور اس سے بغض کیا جس سے اللہ نے بغض کیا اور اس سے
 راضی ہوئے جس سے اللہ راضی ہوا اور اس سے ناراض ہوئے جس سے اللہ
 تعالیٰ ناراض ہوا اور اس کا حکم کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم کیا، اور جس سے

اللہ تعالیٰ نے روکا اس سے روکتے ہیں۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اُن کا قبر میں قبلہ سے منہ پھر جاتا ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ (ارواح اللہ ص ۳۶)

اعتدال میں بھی مضمون تفصیل سے اور اہتمام سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ مضمون (من عادی لی دلیا فقد اذنتہ بالحرب) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بخاری میں منقول ہے۔ اس کے علاوہ یہ روایت حضرت عائشہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت معاذؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابوامامہؓ سے بھی نقل کی گئی ہے۔ اور وہب بن منبہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور میں اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد دیکھا ہے کہ میری عزت و جلال کی قسم ہے جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے مقابلہ پر آتا ہے (درمنثور) ایک حدیث میں آیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ جل جلالہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے لڑنے کے لئے مقابلہ میں آتا ہے۔ میں اپنے اولیاء کی حمایت میں ایسا ناراض ہوں جیسا غضب ناک شیر (درمنثور)

کتنا سخت اندیشہ ناک معاملہ ہے اللہ تعالیٰ سے جس کی لڑائی ہو اُس کا بھلا ٹھکانہ کہاں۔ اور پھر اگر اس کی سزا میں ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں، ناک، کان، آنکھ جاتے رہیں تب بھی سہل ہے کہ دنیا کی تکلیف بہر حال ختم ہونے والی ہے اور اس نوع کے نقصان سے توبہ کی امید ہے لیکن خدا نخواستہ کوئی دینی نقصان پہنچ جائے کسی بد دینی میں مبتلا ہو جائے تو کیا ہو۔ ائمہ نے کہا ہے کہ گناہوں

میں کوئی گناہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے کرنے والے کو اللہ جل شانہ نے اپنے ساتھ لڑائی سے تعبیر فرمایا ہو بجز اس گناہ کے اور سود کھانے کے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان دونوں کو اپنے ساتھ جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا گناہ بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا ہے اور ان لوگوں کے سوزِ خاتمہ کا سخت اندیشہ ہے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

صاحب مظاہر حق نے بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بندہ کی لڑائی دلالت کرتی ہے خاتمہ بد ہونے پر۔ ایک مسلمان کیلئے خاتمہ بالخیر ہونا انتہائی مرغوب اور لازوال نعمت ہے اور جس چیز سے خاتمہ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تم ہی سوچو کہ کتنی خطرناک چیز ہوگی۔ شیخ احمد نے جامع الاصول میں لکھا ہے ان حضرات صوفیاء پر انکار کرنا جو سنت کے متبع ہوں اور بدعت کے توڑنے والے ہوں بالخصوص وہ حضرات جو علم نافع اور عمل صالح رکھتے ہوں اور معارفِ اسرار کے حامل ہوں زہرِ قاتل ہے اور بڑی ہلاکت ہے، بڑی سخت وعید اس بے ایمان میں وارد ہوئی ہے اور بڑی خطرناک چیز ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل میں اللہ جل جلالہ سے اعراض ہے اور وہ امراض سے بھرا ہوا ہے۔ ایسے شخص کے خاتمہ کے خراب ہونے کا معاذ اللہ اندیشہ ہے۔

علامہ شعرانی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ امام ابو تراب بخشی جو مشائخ صوفیہ میں ہیں یہ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کا دل اللہ جل شانہ سے اعراض کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے تو اہل اللہ پر اعتراض کرنا اس کا رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے نا مانوس ہو جاتا ہے تو وہ اہل اللہ پر اعتراض کر نیکیا خوگر ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون اعتدال میں بہت تفصیل سے آیا

ضمیمہ شریعت طریقت

یہ رسالہ (شریعت و طریقت) طبع ہو چکا تھا کہ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے ماہنامہ الفرقان کے چند پرچے میرے پاس بھیجے اس میں ایک مضمون ”شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہمارے بعض اکابر“ کے ذیل میں لکھا ہے جس میں ہمارے اکابر کے کلام میں ان حضرات کے متعلق جو کچھ اشکالات کئے گئے ہیں ان کے بہت مفصل جوابات دیئے گئے ہیں ”قابل دید ہیں“ مولانا موصوف نے الفرقان جنوری ۱۳۸۷ء کے صفحہ ۸ سے یہ ایک مضمون محمد بن عبدالوہاب کے صاحبزادے عبداللہ کی طرف سے نقل کیا ہے جس میں انہوں نے اپنی دعوت اور مسلک کی وضاحت اور بہتانوں کی تردید کی ہے ہم اس مضمون کے چند اقتباسات ذیل میں درج کرتے ہیں۔

اس میں پہلا اعتراض فقہ کے متعلق اور دوسرا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے متعلق لکھا ہے۔ ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اور مرتبہ تمام مخلوقات میں سب سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اور آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات برزخی حیات ہے اور یہ شہداء کرام کی حیات سے زیادہ بلند درجہ کی ہے کیونکہ بلا شک شبہ آپ شہداء سے افضل ہیں۔ اور آپ سلام عرض کرنے والے کا سلام سنتے ہیں اور آپ کی زیارت مسنون ہے لیکن (شذرحال کی ممانعت کی مشہور حدیث کے پیش نظر صحیح طریقہ یہ ہے کہ) مسجد نبوی کی

ہے اور بہت اہم ہے۔ اللہ والوں سے محبت رکھنا اکسیر اعظم ہے اور ان سے دشمنی سب قاتل ہے۔ اس مضمون کو میرے رسالہ اعتدال میں بہت اہتمام سے دیکھا جائے وہاں بارہ صفحوں میں یہ مضمون ہے اور بہت ضروری۔ میری ایک نصیحت اپنے دوستوں کو ہمیشہ سے رہتی ہے اور خود بھی اس پر عمل کی ہمیشہ سے کوشش کرتا ہوں کہ دین کے شعبے تو بہت ہیں اور سب پر ہر ایک کو عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ محدث ہونا، فقیہ ہونا، مجاہد ہونا، صاحب تقویٰ ہونا، صاحب ورع ہونا، فوافل کی کثرت کرنا، روزہ کی کثرت کرنا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان میں سے کاملین کے ساتھ اگر کوئی شخص محبت پیدا کر لے تو اللہ مع من احب کے قاعدہ سے انشاء اللہ تعالیٰ سارے ہی دین کے اجزائے حقہ وافر ملے گا۔ واخود عوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین وجیب رب العلمین وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔ قبیل المغرب یوم الجمعة احدى عشر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ فی مسجد النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہ افضل الصلوة والتسلیم۔

محمد زکریا عفی عنہ

حاضری اور اس میں نماز ادا کرنے کی نیت سے سفر کرے اور اگر اس کے ساتھ زیارت کا مقصد بھی شامل کر لے تو کوئی حرج نہیں اور جو کوئی اپنا قیمتی وقت آپ پر درود شریف پڑھنے میں صرف کرے تو اس کو دنیا و آخرت کیلئے سعادت و خوش بختی حاصل ہوگی اور اس کے سائے فکر و غم، اور پریشانیوں کیلئے وہ کافی ہوگی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اور ہم اولیاء اللہ کی کرامت کے منکر نہیں ہیں اور ان کا جو خاص مرتبہ و مقام ہے ہم اُس کے معترف ہیں۔ اسی کے ساتھ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ کسی قسم کی عبادت کے مستحق نہیں ہیں، نہ زندگی میں نہ بعد الموت۔ ہاں زندگی میں ان سے (بلکہ ہر مسلمان سے) دعاؤ کی درخواست کی جاسکتی ہے۔ اور ہم اس کے قائل ہیں کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہوگی، اسی طرح دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ اور اولیاء اللہ اور معصوم بچوں کی بھی شفاعت ہوگی جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوئے اور ہم اس شفاعت کا سوال اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ اور الحاح و تضرع کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ قیامت کے دن ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہمیں نصیب فرما اور ہمارے بائے میں آپ کی شفاعت قبول فرما۔ اسی طرح ہم اللہ کے نیک بندوں اور فرشتوں کی..... شفاعت کے بائے میں بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔ پس یوں نہ کہنا جائے کہ اے اللہ کے رسول یا اے اللہ کے ولی میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں یا یہ کہ آپ میری مدد یا دستگیری فرمادیں، مجھے بیماری سے شفا عطا فرمائیے (وغیرہ وغیرہ) کیونکہ یہ سب شرک کے اقسام میں سے ہے۔

آگے مصنف خود سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ تم ان علماء کے بائے میں کیا کہتے ہو جنہوں نے اپنی تصانیف میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے اور سوال شفاعت کے جواز بلکہ استحسان و استحباب پر دلائل قائم کئے ہیں اور وہ اس مسئلہ سے متعلق ائمہ متقدمین کی..... ان تصریحات سے بھی واقف و باخبر تھے (جن کا آپ لوگ حوالہ دیتے ہیں) (اس کے باوجود وہ اپنے مسلک پر قائم ہے اور اسی حال میں دنیا سے گئے، مصنف نے اس کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ ہم ان کو بھی معذور سمجھتے ہیں ان سے مسئلہ سمجھنے میں غلطی ہوئی اور وہ اسی حالت میں رہے اور اسی حال میں دنیا سے گئے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جہود اہل سنت مانتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؑ کے خلاف حضرت معاویہؓ کا اقدام شرعاً غلط اور معصیت تھا لیکن چونکہ اس کی بنیاد اجتہادی غلطی پر تھی اس لئے ہم ان کو معذور سمجھتے ہیں بلکہ ان کو اجتہاد کے ایک اجر کا مستحق جانتے ہیں حالانکہ اپنی اس غلطی سے انہوں نے کبھی رجوع نہیں کیا اس پر قائم رہے اور دنیا سے اسی حالت میں چلے گئے اور یہ اہل سنت کا مشہور متفقہ مسلک ہے۔ اور اسی سلسلہ میں مصنف آگے لکھتے ہیں، ہم کسی ایسی شخصیت کی تکفیر نہیں کرتے جس کے تدین اور صلاح و تقویٰ اور زہد و حسن سیرت کی شہرت ہو اور جس نے تعلیم و تدریس یا تصنیف و تالیف وغیرہ کے ذریعہ دین و علم دین اور اُمتِ مسلمہ کی خدمت کیلئے جان کھپائی ہو اگرچہ اس سوال شفاعت کے مسئلہ میں یا اس طرح کے کسی اور مسئلے میں اس سے خطا ہو غلطی ہوئی ہو جیسے ابن حجر بیہقی مکی (شافعی) انہوں نے اپنی کتاب البیہ المظلم

فہرست شریعت و طریقت عکسی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱	اولنگ میل اللہ سیاتہم حسنت	۳	”شریعت و طریقت“ ابتدائے پیدائش سے
۲۲	بارغ فدک	۳	{ اکابر کی سسی سے دو آجے میں
۲۸	مشاجرات صحابہ	۳	{ دین کا زور
۳۰	ہمزان کا قصہ	۳	{ میرے اکابر میں سے تین کی
۳۱	عمل بالقرآن	۴	{ زیارت نہیں ہوئی۔
۳۲	تفسیر کیلئے جن علوم پر مہارت ضروری	۵	{ بقیہ شارح عصر صر زمانہ جو چیز
۳۵	{ قرآن پاک میں استنباط مسائل کے لئے	۵	{ بچپن میں مرکوز ہو جاتی ہے
	{ کن چیزوں کی ضرورت ہے	۸	{ جیسے سانپ اور شیراز
۳۷	{ حدیث کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے	۸	{ حدیث جبرئیل ؑ
	{ کے لئے کن علوم کی ضرورت ہے	۸	{ احادیث کی مزاولت سے
۳۷	{ حدیث کے اقام اور انکی تعریقات	۸	{ شریعت و طریقت کا ملازم ہونا
۴۰	{ مفہوم حدیث سمجھنے میں غلطی	۹	{ انبیاء کی بوشت کا راز تعلیم ہے جو
	{ اور اس کی چند مثالیں	۹	{ شان نبوت کے منافی نہیں تھیں وہ
۴۲	{ طلب حدیث کے شرائط و	۹	{ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی گنیں
	{ آداب از امام بخاری ر	۹	{ جوشان نبوت کے منافی تھیں ان کیلئے
۴۶	فقہ	۱۱	{ صحابہ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔

میں ان مسائل میں ہمارے مسلک کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اس سے واقف ہونے کے باوجود ہم ان کی وسعت علم کے معترف ہیں ان کی کتابیں شرح اربعین اور الزواجر وغیرہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور مطالعہ کا اہتمام کرتے ہیں، ان کی نقل پر اعتماد کرتے ہیں، وہ ہمارے نزدیک قابل اعتماد و اکرم علماء امت میں سے ہیں۔ اسی رسالہ کے اخیر حصہ میں اپنا مسلک واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اور ہمارے نزدیک حافظ ابن قیم اور لکھ استاد شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اہل حق، اہل عقلیت کے امام و پیشوا ہیں اور ان دونوں بزرگوں کی کتابیں ہمیں نہایت عزیز ہیں لیکن ہم ہر مسئلہ میں ان کے بھی مقلد اور پیرو نہیں ہیں اور متعدد مسائل میں ان سے ہمارا اختلاف معلوم اور معروف ہے، منجملہ ان کے ایک مجلس کی تین طلاقیں کا مسئلہ ہے، اس میں ہم ان دونوں بزرگوں کی تحقیق کے خلاف (ائمہ اربعہ کے متفقہ مسلک کا اتباع کرتے) ہیں۔۔۔۔۔ اور بھی ایسے متعدد مسائل ہیں۔ اور رسالہ کی آخری سطروں میں فرماتے ہیں اور اسی پر رسالہ ختم ہے: ”اور ہم طریقہ صوفیاء اور تزکیہ باطن کی کوشش کے بھی منکر نہیں ہیں بشرطیکہ اس راہ کا سالک شریعت و سنت کا پابند و پیرو ہو۔ لیکن ہم ان لوگوں (صوفیاء) کے اقوال و افعال میں زبردستی کی تاویلیں نہیں کرتے اور ہم اپنے تمام امور میں صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں اور صرف اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اس کے سوا کسی کو مددگار اور کارساز نہیں سمجھتے۔“

وہو حسنا ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر
وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم

محمد زکریا عفی عنہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۲	علاوہ کسی کی تقلید نہ کرنے پر علماء کا اجماع	۴۶	فقہ اور اس کی تعریف
۶۳	ابن حجر مکی کا قول	۴۷	علامہ شرنائی کی مشہور کتاب المیزان
۶۳	ملاحیون کا مقولہ	۴۷	الکبریٰ اور اس کا موضوع
۶۵	تقلید	۵۰	مکاشفات علامہ شرنائی بصوت جداول
۶۵	جو لوگ تقلید کو شرک کہتے ہیں	۵۰	ائمہ فقہ و حدیث کی موالید و وفیات
۶۵	وہ تقلید کی حقیقت نہ واقف ہیں	۵۱	اجتہاد
۶۵	قرنِ صلی اللہ علیہ وسلم قتلہ قلمہم اللہ	۵۱	اس کی تعریف و شرائط
۶۶	ابن تیمیہ کا مقولہ تقلید کے بار میں	۵۵	اقسام اجتہاد
۶۶	امام بابی کا مقولہ کہ جو اجتہاد کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اس پر تقلید فرض ہے۔	۵۸	اجتہاد کا چوتھی صدی کے بعد انقطاع
۶۶	مکتوب حضرت گنگوہی بسلسلہ وجوب تقلید۔	۵۹	مولانا حبیب الرحمن عظمیٰ کا مضمون
۶۶	مکتوب حضرت ناوٹوی بسلسلہ وجوب تقلید۔	۶۰	ائمہ مجتہدین کا چار میں انحصار
۶۷	مکتوب حضرت ناوٹوی بسلسلہ وجوب تقلید۔	۶۲	شاہ ولی اللہ صاحب کا مضمون
۶۷	مکتوب مولوی محمد حسین ثالوی	۶۳	ابن خلدون کا مقولہ کہ تقلید چار میں کیوں منحصر ہے۔
۶۹	۲۵ سالہ تجربہ	۶۳	مختلف ائمہ کی تقلید یک وقت
		۶۳	علماء کا اجماع تقلید ائمہ اربعہ پر
		۶۳	ابن ہمام کا مقولہ کہ ائمہ اربعہ کے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۱	ابن تیمیہ کا قول ہے کہ ائمہ میں سے کسی نے حدیث کی مخالفت نہیں ہے۔	۷۰	مولوی محمد حسین ثالوی کی حضرت ناوٹوی کے ساتھ گفتگو۔
۸۲	ابن تیمیہ کا قول کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ یا کسی دوسرے امام نے عمدہ کسی حدیث کو چھوڑا ہے تو اس نے ان پر زیادتی کی۔	۷۲	علی گڑھ کے اہل حدیث ڈاکٹر کا مقولہ کہ بعد رکوع ہاتھ چھوڑنا کسی حدیث سے بتاؤ۔
۸۳	حضرت گنگوہی کا معمول دوسرے ائمہ کے احترام میں	۷۳	تقلید امام ابوحنیفہ
۸۳	حضرت گنگوہی کا ارشاد کہ اگر حضرت امام شافعی ہوتے تو میں انکی تقلید کرتا۔	۷۸	ائمہ کا قول اذ اصح الحدیث
۸۳	زکریا کے درس میں دس آداب طالب	۸۰	فہونہ بی جب کہ امام کے پاس وہ حدیث نہ پہنچی ہو
۸۵	زکریا کا تشدد	۸۰	ابن تیمیہ نے رفع الملام میں کسی امام کے کسی حدیث کے چھوڑنے کی دس وجہیں لکھی ہیں۔
۸۸	مقطوع اللہیہ پر طریقت	۸۱	تنبیہ کسی شخص کو اپنے امام کے علاوہ دوسرے امام کی یا محدثین کی شان میں گستاخی نہایت خطرناک ہے۔
		۸۱	امام ابن تیمیہ کی مضمون بالا کی نہایت تاکید۔

صفحہ	مضمون	صفحہ
۱۰۰	ارشادات حضرت تھانوی	۸۸
۱۰۲	{ مکاتیب شیخ الاسلام دراہمیت شریعت۔	۸۹
	رسالہ ابن تیمیہ فی الاعمال القلبیہ	
	میں اعمال قلیبیہ پر بیعت زور	
۱۱۰	{ دیگیا ہے اور کہا ہے کہ لوگ تین قسم پر ہیں ظالم، مقصد	۸۹
	سابق بالخیرات۔	
	ابن تیمیہ نے چند اعمال قلوب	۹۱
۱۱۰	{ گنوا کر لکھا ہے کہ علما کا اجماع ہے کہ یہ سب واجب ہیں جن کو	۹۲
	مقات و احوال سے تعبیر کیا جاتا ہے	
	اسکے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے لکھا	۹۷
	صدق و کذب اللہ تعالیٰ کی محبت	
۱۱۱	{ اخلاق، توکل اور اس جیسے	۹۸
	اعمال باطنہ سب مامور ہیں	
	حافظ ابن قیم کا کلام الوابل الصیب	۹۸
۱۱۱	{ اور مدارج السالکین سے۔	۹۹
	مولانا اسماعیل کاندھلوی کا حضرت	
	گنگوہی سے اشغال کے سوال پر	
	حضرت گنگوہی کا ارشاد کہ جب	
	احسان کا درجہ حاصل ہے کہ اگر	
	حضرت گنگوہی کا طویل تقریر	
	کہ درجہ احسان اصل ہے۔ اور	
	خدا نے ضرورت کی وجہ سے	
	اشغال تجویز کیے۔	
	مکتوب حضرت میرد صاحب	
	براہمیت شریعت۔	
	مکاتیب خواجہ محمد معصوم	
	دراہمیت شریعت۔	
	خواجہ احمد جام کا نابینا کی آنکھ	
	پر ہاتھ پھیرنے سے انکار۔	
	مامی کینم	
	مکتوب خواجہ محمد معصوم	
	دراہمیت شریعت۔	
	مکتوب خواجہ معصوم شریعت پر عمل اصل ہے	

صفحہ	مضمون	صفحہ
۱۳۵	محاورات و ریاضات صوفیہ	۱۱۳
۱۳۶	ارشادات شاہ ولی اللہ	
۱۳۷	حضرت سلیمان کا گھوڑوں کو مارنا	۱۱۷
	مختلف صحابہ کو مختلف ارشادات	۱۱۹
۱۳۹	{ ایک ہی نوع کے سوالات پر	
	امراض بدنیہ میں اطباء کا	۱۲۲
۱۴۱	{ ایک ہی مرض کے دو نسخے	
	مکتوب مجدد صاحب در نسبت صحابہ	۱۲۵
۱۴۲	{ شیخ کی ضرورت اور اسکے	
۱۴۵	{ شرائط۔	۱۲۹
	شرائط شیخ از حضرت تھانوی	
۱۴۵	{ شرائط شیخ از حضرت شاہ	۱۲۹
۱۴۶	{ ولی اللہ صاحب	
۱۵۰	شاہ ابوسعید گنگوہی کا قصہ	۱۳۰
۱۵۳	علی میاں کا مضمون	
	شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا	۱۳۳
۱۶۲	{ مضمون تصوف کے	
	بارے میں۔	
	حضرت گنگوہی کا مکتوب	
	بلسلہ تصوف	
	بیعت	
	شاہ ولی اللہ صاحب کا کلام	
	توہ صلی اللہ علیہ وسلم الاتباعیوں	
	کے فوائد التکشف سے۔	
	حیاء الصحابہ سے بیعت کی روایات	
	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے	
	زمانہ میں آپ کی زیارت ہی مرتبہ	
	احسان تک پہنچنے کیلئے کافی تھی	
	حدیث حضرت حنظلہ کی	
	کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا	
	ابوطلحہ انصاری کے بارغ میں	
	ایک پرندہ کے گھر پر بارغ	
	کو صدقہ کر دینا۔	
	حضرت عبداللہ بن زبیر کا نماز میں	
	سانپ گرنا اور بچہ کو لپٹ جانا	
	واقعہ حضرت حارث حقیقت ایمان	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۴	{ ابن قیم کا مضمون کشف کے بارے میں -	۱۹۲	وارد کی قوت کی وجہ سے بعض بیہوش ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ مَر بھی جاتے ہیں (ابن تیمیہ)
۲۰۰	ابن تیمیہ کا مضمون کشف کے بارے میں		{ شیخ شہاب الدین سہروردی کا مضمون -
۲۰۲	شطیات	۱۹۶	
۲۰۸	سکر و غشی		اشغال و احوال
۲۱۲	صوفیاء کے کلام میں ظاہر و خلاف معنی	۱۹۷	{ کلمہ طیبہ کے بارے میں ملا علی قاری کا مضمون
۲۱۶	ام الامراض (تکبر)	۱۷۰	{ ذکر بلفظ اللہ پر اشکال اور اس کا جواب
۲۱۷	امام غزالی کا مضمون		پاس انفاس
۲۲۱	حضرت جنید کا قصہ	۱۷۵	تصور شیخ
۲۳۲	ابو عبد اللہ اندلسی کا قصہ	۱۷۷	کشف صدر - کشف قبور
۲۳۸	اکابر کی شان میں گستاخی	۱۹۰	
۲۴۱	ان کی اُمتی بھی سیدھی ہوتی ہے		
۲۴۷	ضمیمہ		

